MARCH 7, 1982 — نہ لاؤ کبھی یاس کی گفتگو ہے کہ قرآن میں آیا ہے لا تقنطوا — VOL. 6 NO. 5

EDITOR Sohail Akhtar

THE MESSENGER
FORTNIGHTLY NEWSPAPER

پیغامبر
مدیر سہیل اختر

P.O. Box 2114, Station B, Scarborough, Ont. Canada M1N 2E5 Tel. (416) 282-6671

تحریر: ابو سہیل انور

کیا صدر ضیاء الحق کی جماعت "شوریٰ لیگ" ہوگی

[illegible]

حسب خواہش لڑکا یا لڑکی پیدا کرنے کا طریقہ

پیدائش سے قبل بچے کی جنس کا تعین ہو سکے گا

[illegible]

۔۔۔ کی مخالفت

[illegible]



ملکۂ حسن

داماد نے اپنی ساس سے پوچھا، "سنا ہے جوانی میں آپ نے کسی فلم میں کام کیا تھا؟"

"ہاں بیٹا!" ساس نے لمبی سی آہ کھینچی، "کیسا اچھا زمانہ تھا وہ بھی۔"

"تو کیا آپ فلم کا نام بتانا پسند کریں گی؟"

"ملکۂ حسن قلوپطرہ اور زہریلی ناگن" ساس نے بتایا۔

داماد نے حیرت سے پوچھا "ملکۂ حسن قلوپطرہ کا کردار کس نے ادا کیا تھا؟"

زحمت نہ کیجیے

ایک رات ایک لڑکا ایک لڑکی کو لے کر فرار ہو گیا۔ اسٹیشن پہنچ کر جب اس نے ٹیکسی کا کرایہ ادا کرنے کے لیے جیب میں ہاتھ ڈالا تو ٹیکسی ڈرائیور بولا "زحمت نہ کیجیے جناب! ان کی والدہ صاحبہ کرایہ پہلے ہی ادا کر چکی ہیں۔"

بکھیڑے کا کام

گوشت کا ایک امریکی بیوپاری جب اسپین میں پہنچا تو اپنے میزبان کی دعوت پر اس نے سانڈ اور انسان کی لڑائی بھی دیکھی۔ جب سورما نے سانڈ کو ختم کر دیا تو میزبان نے امریکی مہمان سے پوچھا "دلچسپ تماشا تھا نا؟"

امریکی نے جواب دیا "شاید! لیکن کیا اس میں بکھیڑا کچھ زیادہ نہیں ہے؟ ہمارے ملک میں تو یہ سب کام مشینوں سے ہوتا ہے۔"

پیغامبر
THE MESSENGER
Editor & Publisher SOHAIL AKHTAR Tel: (416) 267 8006
جہاں بینی میری فطرت ہے لیکن کسی جمشید کا ساغر نہیں میں

۷ مارچ ۱۹۸۲ء

روسی سامراج کی چیرہ دستیاں

جوں جوں مغربی استعماریت دم توڑ رہی ہے۔ اور اس کے نوآبادیاتی نظام کا ڈھانچہ ٹوٹ رہا ہے، دنیا ایک نئے سامراج اور نوآبادیاتی نظام کے چنگل میں پھنستی جا رہی ہے۔

روسی سامراج مشرقی جرمنی، البانیہ، یوگوسلاویہ، رومانیہ، چیکوسلواکیہ ہنگری اور ایتھوپیا کو ہڑپ کر چکا ہے۔ اور اب پولینڈ اور افغانستان کو نگلنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہا ہے۔

ویت نام میں امریکی مداخلت پر روس اسے جارحیت کا طعنہ دیا کرتا تھا۔ اب خود ایک توسیع پسند سامراجی طاقت کے طور پر دنیا کے نقشے پر ابھرا ہے۔

پولینڈ ایک طویل عرصے سے اشتراکی روس کے زیر نگیں اور زیر اثر چلا آ رہا ہے۔ مگر پولینڈ کے عوام ہمیشہ سے اشتراکی روس کی جارحیت کے خلاف رہے ہیں۔ اور لطف کی بات تو یہ ہے کہ اشتراکیت کے اس سب سے بڑے علمبردار (جو مزدوروں کے حقوق کا پوری دنیا میں ڈھنڈورا پیٹتے نہیں تھکتا) کے خلاف پولینڈ کے مزدوروں نے ہی محاذ آرائی شروع کی ہے۔ اور روس کے تسلط کے خلاف لڑنے اور اسے للکارنے والی سب سے بڑی قوت پولینڈ کی مزدور یونین سالیڈیرٹی ہی ہے۔ آج انہی مزدوروں کو کچلنے کے لئے "مزدوروں کے خیرخواہ" روس نے پولینڈ پر چڑھائی کر دی ہے۔

روس کے چہرے سے مزدور دوستی کا نقاب اتر گیا ہے اور اب ساری دنیا کو اس بات کا علم ہو گیا ہے کہ اشتراکیت اپنے نظریہ کے زور پر نہیں بلکہ ایک سپرپاور ہونے اور فوجی طاقت کے بل بوتے پر دنیا کو مسخر کر کے اسے غلامی کی زنجیریں پہنانے پر تلی ہوئی ہے۔

پولینڈ اور افغانستان میں روس کی مداخلت سے یہ امر واضح ہو گیا ہے کہ روس سے آزاد دنیا کے مستقبل خصوصاً چھوٹے ممالک کو شدید خطرہ لاحق ہے۔ اگر کل تک دنیا مغربی سامراج کے چنگل میں پھنسی ہوئی تھی تو مستقبل میں وہ اس سے بھی بدتر اشتراکی سامراج کا تر نوالہ بننے کے خطرہ سے دوچار ہے۔

سونے کے آداب

شوکت جاوید

سونا ہماری صحت کے لئے بہت ضروری ہے۔ آج ہم آپ اس کے بارے میں چند اہم آداب بتاتے ہیں جن پر عمل کرنے سے آپ کی نیند بھی پوری ہوگی اور آپ غفلت کا شکار بھی نہیں ہوں گے

- سونے سے پہلے اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگ لینی چاہیئے۔ اور اپنے دل میں عہد کر لینا چاہیئے کہ آئندہ گناہ سے پرہیز کریں گے۔
- رات کو جلدی سونا چاہیئے کیونکہ رات کو جلدی سونا اور صبح جلدی اٹھنا صحت کے لئے بے حد مفید ہے اس بارے میں نبی اکرم کا ارشاد ہے۔ کہ رات کو عشاء کی نماز ادا کرنے کے فوراً بعد سو جاؤ تاکہ تم صبح فجر کی نماز ادا کرنے کے لئے اٹھ سکو صرف ضروری کاموں کے لئے رات کو دیر سے جاگنے کی اجازت ہے۔
- پیٹ کے بل نہیں سونا چاہیئے رسول اکرم نے فرمایا ہے کہ پیٹ کے بل سونے سے انسان جلد بوڑھا ہو جاتا ہے۔
- رات کے وقت ثقیل اور مرغن غذاؤں سے پرہیز کرنا چاہیئے۔
- سونے سے پہلے اپنے اہل خانہ کو شب بخیر کہنا چاہیئے۔
- کم سونے سے بھی انسان کی صحت گر جاتی ہے اور زیادہ سونے سے انسان سستی کا شکار ہو جاتا ہے۔
- دفتروں کے بعد سونے سے بھی جسم کو آرام مل جاتا ہے۔
- سونے سے پہلے دانت صاف کر لینے چاہیئں۔
- رات کو کھانا کھا کر فوراً ہی نہیں سو جانا چاہیئے۔ بلکہ کم از کم سو قدم ٹہل لینا چاہیئے۔
- گرمیوں میں دوپہر کے وقت آرام کر لینا مناسب ہے۔
- اگر نیند نہ آئے تو آنکھیں بند کر کے خاموشی سے لیٹ جانا چاہیئے۔ ایسا کرنے سے جسم کو سکون ملتا ہے۔

سچی باتیں

(از مولانا عبدالماجد دریابادی مرحوم)

ابھی کل کی بات ہے ہمارے درمیان ایک زندہ بزرگ تھے۔ مولانا حمید الدین۔ اعظم گڑھ کے ضلع میں ایک چھوٹی سی بستی پھریہا کے رہنے والے عربی تلفظ میں اسی مناسبت سے الفراہی کہلاتے۔ عربی زبان وادب اور اسلامی علوم کے زبردست فاضل مولانا شبلی نعمانی کے عزیز قریب۔ عجب دلاویز و موثر شخصیت تھی۔ ایسے مومن قانت ایسے زندہ مسلمان کمتر دیکھنے میں آئے ہیں ـــــ قرآن مجید پر بڑی غائر نظر رکھتے تھے عربی پر قدرت اہل زبان کی سی رکھتے تھے۔ متعدد سورتوں کی تفسیر عربی میں لکھ گئے ہیں لیکن یہاں ذکر ان کی تصانیف کا نہیں محض شخصیت کا ہو رہا ہے ـــــ اللہ والوں کی تعریف میں یہ کہا گیا ہے کہ ان کے پاس بیٹھ کر اللہ یاد آتا ہے۔ مولانا اس معیار پر پورے اہل اللہ تھے۔ حیدرآباد میں مدتوں رہے اچھے بڑے خاصے دارالعلوم کے صدر (پرنسپل) تھے تعلقات قدرۃً اعلیٰ حلقوں سے رہے اپنی قناعت وسادگی، دیانت وبے لوثی، بے غرضی وصداقت کسی چیز میں فرق نہ آنے دیا اور سکون خاطر کی تو گویا تصویر تھے نفس مطمئنہ کا لفظ کتابوں میں بار بار نظر سے گزرتا رہتا تھا انہیں دیکھ کر دل گواہی دیتا کہ لفظ بے معنی نہیں ہے۔

نماز کے تو گویا عاشق تھے وقت کی آمد کے انتظار میں جیسے گھڑی لیے بیٹھے رہتے ہیں (اور یہی بات اکبر الہ آبادی مرحوم میں بھی تھی) معاش کی طرف سے ایسے مطمئن کہ جیسے یہ چیز کوئی فکر کرنے کے قابل ہی نہیں (قناعت وتوکل، اعتماد علی اللہ کی یہ مثال حسرت موہانی کے ہاں بھی دیکھنے میں آئی) پنشن کی رقم بہت ہی قلیل منظور ہوئی کوئی دوسرا ہوتا تو کوشش اور پیروی کر کے اسے بڑھوا لیتا۔ یہاں دماغ میں یہ خانہ نہیں تھا۔ اسی قلیل پر صبر کے ساتھ نہیں شکر کے ساتھ ہنسی خوشی گزر بسر کر کے دکھا دیا غیبت لغو گوئی، فضول کلامی، ہزل کا مجلس میں گزر نہ تھا کام کی بات کہتے۔ کام ہی کی بات سوچتے، ذکر و فکر سب قرآن و آیات قرآنی سے متعلق رہتا۔

ذکر جانش فکر و معاش   دیگر ہیچ نہ کارے دارم

سادہ کھاتے، سادہ پہنتے، دنیا سے بقدر ضرورت لیتے کھانا کھا رہے ہیں، دستر خوان پر صرف دال اور روٹی ہے دال میں نمک کم ہے بلا کسی ناخوشی کے اوپر سے نمک ملا لیا اور چہرہ تک سے ناگواری نہ ظاہر ہونے دی۔ دوسرے دن پھر وہی کھانا آج نمک بہت زائد ہو گیا ہے اسی انداز سے اٹھے اور آج پانی ملا کر پھر اس ناخوش گوار کو خوش گوار بنا لیا۔ کھانے میں شریک طالب علم کچھ جھنجھلائے، کچھ دنگ رہ گئے منہ سے بنایا فرمایا بھائی بات کچھ نہیں ایک چٹنی تیار رکھو بغیر پیسہ کوڑی کے خرچ کے تیار ہو جاتی ہے۔ جس کھانے میں لاؤ گے مزہ دار ہو جائے گا۔ چٹنی کا نام ہے قناعت!

قابل رشک وفات۔ ۲۹ نومبر چہار شنبہ کو مولانا ڈاکٹر مصطفیٰ حسن علوی کاکوروی اپنی لکھنؤ کی قیام گاہ پر ۷۸ سال کی عمر میں بعارضہ قلب وفات پا گئے۔ مرض کا سخت حملہ دو ایک دن قبل ہوا تھا۔ فوری علاج سے اس کی شدت میں کمی ہو گئی تھی اور معالج صاحب نے انہیں خطرہ سے باہر قرار دے دیا تھا۔ نماز عصر ادا کر رہے تھے کہ عین حالت سجدہ میں مسجود حقیقی کی بارگاہ میں بلا کسی ظاہری کرب و تکلیف کے پہنچ گئے۔ ایسی موت پر کس صاحب ایمان کو رشک نہ آئے گا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔



رفیق تبسم ـــــ
اے لوگو تمہیں دوام کے واسطے پیدا کیا گیا ہے نہ کہ مٹ جانے کے لیے۔ تمہاری تخلیق زندگی جاودان کے لیے ہوئی ہے۔ تم ایک گھر سے دوسرے گھر میں منتقل ہوتے ہو۔ تم صلب سے رحم مادر میں منتقل ہوئے اور رحم مادر سے دنیا میں۔ دنیا سے قبروں میں منتقل ہو جاؤ گے اور قبروں سے اللہ کی بارگاہ میں۔ پھر جنت یا جہنم کی زندگی جاودان سے ہم کنار ہو جاؤ گے۔

گلزار حبشی ـــــ
اللہ تعالیٰ سے حیا کرنے کا حق اس طرح ادا کیا جا سکتا ہے کہ سر اور سر میں جو افکار و خیالات ہیں ان سب کی نگہداشت کی جائے۔ پیٹ اور اس میں جو کچھ بھرا ہوا ہے اس کی نگرانی کی جائے۔

گل فراز خان ـــــ
یہ خیال نہ کر کہ تو نے چھوٹا سا گناہ کیا ہے بلکہ یہ دیکھ کر تجھ سے کس کی نافرمانی سرزد ہوئی ہے۔

شاہد ـــــ
لوگو یہ زندگی جس کو تم غفلت شعاری اور بے فائدہ کاموں میں گزار دیتے ہو بڑی ہی گریز پا ہے۔ یہ دنیا جس میں تم بڑی بڑی پرشکوہ حسین وجمیل عمارتیں کھڑی کرنے میں گم ہو چند روزہ ہے۔ پائیدار زندگی آخرت کی زندگی ہے اور وہی دار القرار ہے۔

افتخار ـــــ
اے لوگو غفلت کیشی چھوڑ دو۔ زندگی کی ٹمٹماتی ہوئی شمع کسی وقت بھی گل ہو سکتی ہے۔ موت کسی لمحے بھی آ سکتی ہے۔ موت جو حسین و جمیل چہروں کو بگاڑ دیتی ہے جوان مردوں کو پچھاڑ دیتی ہے۔ جس کے آگے بادشاہوں کی عظمت اور سلطنت بے بس ہو کر رہ جاتی ہے جس سے بچ نکلنے کا کوئی راستہ نہیں۔

اے حمید ـــــ
سائنس سب کچھ کر سکتی ہے مگر دل کی گہرائیوں علم کی وسعتوں، اخلاق کی قدروں، کردار کی بلندیوں اور بے لوث پاکیزگی کو نہیں چھو سکتی۔

فرزانہ ـــــ
اگر ایک سرسبز پودا نہ بن سکو تو ایک ننھا سا پتہ ہی بن جاؤ۔ کیونکہ پودے کی خوبصورتی پتوں کے دم سے قائم ہے۔ اگر پتہ بھی نہ بن سکو تو شبنم کا ایک قطرہ بن جاؤ۔ جھلمل کرتا ہوا ننھا سا قطرہ جو پتے اور پودے کے حسن کو دوبالا کرتا ہے۔

فرح ـــــ
دنیا تو ایک جال ہے۔ جب آدمی اس میں پھنس جاتا ہے تو لاکھ ہاتھ پاؤں مارنے کے باوجود نہیں نکل سکتا۔

شازیہ ـــــ
ہر شخص کی خواہش ہوتی ہے کہ وہ لمبی عمر پائے لیکن بڑھاپے سے ہر ایک کی جان جاتی ہے
اگر کسی عورت سے تمہیں دکھ پہنچتا ہے تو تم اسے ہرگز قتل نہ کرو بلکہ اس کے کان میں ایسا اوقات یہ ڈالتے رہو کہ تم بوڑھی ہو رہی ہو۔ اس طرح تم اس سے ۴۰۰ دفعہ انتقام لے سکتے ہو۔

ایم صادق ملک ـــــ
وہ آدمی ہرگز شریف کہلانے کا مستحق نہیں ہو سکتا جس کی زبان گندے اور ناپاک الفاظ میں ملوث و آلودہ ہو۔ اگر تم کسی شخص کو گندے الفاظ ادا کرتے ہوئے سنو تو فوراً نتیجہ نکال لو کہ بے گناہ ان بے شمار گناہوں میں سے ایک ہے جو اس کے سینے میں چھپے ہوئے ہیں۔ اور جلد ہی یا بدیر ان کا بھی اظہار ہو جائے گا۔

غزل

قمر صدیقی

ابھی سے خواب نہ دیکھو بلند ٹیلوں کے
ابھی قیام کہاں فاصلے ہیں میلوں کے

نہیں ہے فرش نشینوں سے رابطہ اُن کا
عجب مزاج ہوئے شہر کی فصیلوں کے

تمازتوں نے قیامت کا رُوپ دھار لیا
دہانے خشک ہوئے جا رہے ہیں جھیلوں کے

وُہ جن کے خُون کی خوشبو رواں تھی خیموں میں
کہاں سے آئیں اب افراد اُن قبیلوں کے

صداقتوں پہ جو مُہرِ حیات ثبت کریں
بھلا وہ گرد بھریں کس لئے وکیلوں کے

ایک یاد

موسمِ گل ہے پھر اور میں ہوں اداس
تیری دوری نے توڑ دی ہے ہر اک آس
کر دیا تیری فرقت نے تصویرِ یاس
دور مجھ سے ہے تو اور میں تیرے پاس

زیست ہے غم کی یا اک بیابان ہے
اشک آنکھوں میں ہیں جیسے طوفان ہے

تو وطن کا مجاہد تھا شعلہ فشاں
تھا پرکاہ ہر ایک کوہِ گراں
تجھ سے لرزاں تھے دشمن کے پیر و جواں

تو شجاعت کا پیکر تہہِ آسماں

عزم و ہمت کا پیکر تھا تو شیر تھا
دشمنِ ملک و ملت پر اک ڈھیر تھا

ہو گئی پھر جو تجھ کو شہادت نصیب
ہو گیا رحمتِ حق کے کتنا قریب

میری آنکھوں میں آنسو تیری یاد کے
ڈھونڈتی ہوں میں ہر سو کہاں تو ملے
کس طرح دل کا غنچہ میرا اب کھلے
کس طرح دل سے دل پھر مرے جا ملے

مگر سیلِ گریہ تو بیکار ہے
کہ تو رحمتِ رب سے سرشار ہے

— راجہ نسیم۔ نیلن



MONTHLY AAWAZ

ماہنامہ

آواز

اسکاربرو کنیڈا

مدیر: سہیل اختر

مارچ سنہ ۱۹۸۲ء



اداکارہ شہلا گل

آپ بیتی، جگ بیتی — ترتیب: عفت اے ملک

بچیوں کو ماں کی بددعا لگ گئی

یہ واقعہ ہماری امی کو ان کی ایک سہیلی نے سنایا تھا ان ہی کی زبانی عرض ہے۔ ان دنوں ہمارے مالی حالات کچھ اچھے نہ تھے اور مذہب اور پرچے خدا نے تین بیٹیاں دی تھیں ایک دن میں بیٹھی روٹیاں پکا رہی تھی کہ میری دو چھوٹی بیٹیاں دوڑتی ہوئی میرے پاس آکر بولیں "امی جان ہمیں اچھے اچھے کپڑے سلا دیں" تو میں نے انہیں جواب دیا کہ تم دونوں کے پاس پچھلی عید کے کپڑے ہیں وہی پہن لینا پہلے تو میں نے انہیں پیار سے سمجھانے کی کوشش کی لیکن جب وہ اسی طرح ضد پر اڑی رہیں تو میں نے غصے سے دونوں بیٹیوں کے منہ پر دو دو تھپڑ رسید کئے میری دونوں بچیاں بلک بلک کر رونے لگ گئیں اس وقت میں نے آسمان کی طرف دیکھ کر دکھی دل سے دعا کی کہ یا اللہ یا تو تو ان کا مقدر سنوار دے یا پھر ان کو اٹھا لے۔ تھوڑی دیر بعد بچیاں رو دھو کر چپ ہو گئیں میں بھی گھر کے کاموں میں مصروف ہو گئی عید کو دو دن رہ گئے تھے بچیوں کی زیادہ ضد پر میں نے کسی سے رقم ادھار مانگ کر کپڑے بنا دیئے عید کے دن میری سب سے چھوٹی بچی کے پیٹ میں ذرا سا درد ہوا اور وہ اپنے خالق حقیقی سے جا ملی شام کے وقت جب چھوٹی بچی دفنا کر لوگ واپس آگئے تو سب سے بڑی لڑکی کو بہت سخت بخار ہو گیا ڈاکٹروں سے دوا وغیرہ بھی لے کر دی لیکن ٹھیک رات گیارہ بجے وہ بھی اپنے خدا کو پیاری ہو گئی ابھی بڑی لڑکی کو فوت ہوئے تین دن ہی گزرے تھے کہ منجھلی لڑکی کے سر میں بہت تیز درد شروع ہو گیا ڈاکٹروں کو دکھایا تو انہوں نے کہا کہ بچی کے دماغ کی رگ پھٹ گئی ہے میں روتی پیٹتی گھر آ گئی تقریباً دو بجے تیسری بچی بھی مر گئی۔ لڑکیوں کی موت کے بعد مجھے اپنے وہ الفاظ یاد آئے جو میں نے اپنی بچیوں کے وقت اپنے خدا سے کہے تھے۔

آج ہمارے پاس اللہ کا دیا سبھی کچھ ہے لیکن میں آج بھی اپنی بچیوں کے لئے تڑپتی ہوں جس وقت بھی اپنی بچیوں کی یاد آتی ہے تو میں پاگل سی ہو جاتی ہوں۔

سعید احمد خوشنود

ماموں کا ظلم

یہ اس زمانے کی بات ہے جب میں تقریباً چھ سال کی تھی والدہ صاحبہ نے مجھے بازار سے سودا لانے کے لئے بھیجا میں بازار میں جا رہی تھی کہ ایک آدمی نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے ایک طرف لے گیا وہاں مجھ سے پوچھنے لگا کہ تمہاری امی کیسی ہے بہن بھائی ہیں سب کا حال پوچھنے کے بعد اس نے اپنے آپ کو میرا ماموں ظاہر کیا میں بچی تھی اور اس کی باتوں کا یقین کر لیا اس کے بعد وہ کہنے لگا آؤ میں تمہیں غبارے خرید کر دوں میں اس کے ساتھ ہو لی۔ وہ مجھے کچھ دور ایک قبرستان میں لے گیا اور میرے کانوں میں سونے کی بالیاں دیکھ کر کہنے لگا یہ تمہاری بالیاں بہت خراب ہو گئی ہیں میں امی سے کہوں گا نئی بنوا دیں گی یہ کہہ کر اس نے میری بالیاں اتار لیں اور کہا کہ اب تم گھر جاؤ پھر اس نے مجھے گھر کے راستے پر چھوڑ دیا میں گھر پہنچ گئی امی جان مجھ پر بہت غصے ہوئیں کہ اتنی دیر کیوں لگائی اتنے میں ان کی نظر میرے کانوں پر پڑی تو وہ سارا معاملہ سمجھ گئیں پوچھنے پر میں نے بتایا کہ "وہ ماموں لے گیا ہے" امی جان نے آدمی کو برا بھلا کہا اور پھر خدا کا شکر ادا کیا کہ بالیاں تو چلی گئیں شکر ہے بیٹی تو واپس آگئی ہے۔ آج بھی جب مجھے وہ واقعہ یاد آتا ہے تو میں کانپ جاتی ہوں کہ اگر وہ آدمی مجھے بھی اپنے ساتھ لے جاتا تو نہ جانے میرا کیا حشر ہوتا۔ خدا کا شکر ہے کہ میں اس بردہ فروش کے ہاتھ سے بچ گئی اب میری عمر ۱۸ سال ہے اور میں ایف ایس سی کی طالبہ ہوں۔

(خالدہ نسرین اکمند)

دل دکھانے کی سزا

یہ چند سال پہلے کی بات ہے میں پشاور سے مردان جانے کے لئے ایک بس میں سوار ہوا بس میں عموماً دو کنڈیکٹر ہوتے ہیں ایک کنڈیکٹر کرایہ وصول کرتا ہے اور دوسرا گیٹ پر کھڑا ہو کر سواریوں کو نشستوں پر بٹھاتا ہے۔

بس میں میرے قریب ایک بوڑھا بیٹھا ہوا تھا اس کے پاس کرایہ کے پیسے نہ تھے جب کنڈیکٹر کو معلوم ہوا کہ اس کے پاس پیسے نہیں ہیں تو وہ آگ بگولا ہو گیا اور بوڑھے کی منت سماجت کے باوجود بس روک کر بوڑھے کو اتار دیا۔ بوڑھے نے جاتے جاتے رو کر آنکھیں بند کیں دونوں ہاتھ دعا کے طور پر اٹھائے اور بولا "بیٹا خدا تجھے پوچھے" بس پھر رواں دواں ہو گئی کنڈیکٹر تمام سواریوں سے کرایہ وصول کر کے چھت پر چلا گیا تاکہ قابل کرایہ سامان چیک کرے اور مسافروں سے اس کا فالتو کرایہ بھی وصول کرے جب بہت دیر تک وہ واپس نہ آیا تو نیچے موجود دوسرے کنڈیکٹر کو چھت پر بھیج دیا تاکہ اپنے ساتھی کا حال معلوم کرے۔ دوسرے کنڈیکٹر نے اوپر جا کر دیکھا تو اس کے رونگٹے کھڑے ہو گئے کیونکہ اس کے ساتھی کنڈیکٹر کا سر پاش پاش ہو چکا تھا اور اس کی بے جان لاش سامان پر پڑی ہوئی تھی اس کے شور مچانے پر بس رکی اور اس کی لاش کو بمشکل نیچے اتارا گیا معلوم ہوا کہ بے خبری میں کسی درخت کا تنا اس کے سر سے ٹکرایا اور وہ وہیں ہلاک ہو گیا یہ دیکھ کر تمام سواریاں اس بوڑھے کو یاد کرنے لگیں جس نے ہاتھ پھیلا کر اسے بددعا دی تھی انسان کو ہمیشہ خدا سے ڈرتے رہنا چاہئے اور کبھی کسی کا دل نہیں دکھانا چاہئے۔

صفیہ خان شاد

دلہن دولہا کو بھائی سمجھ کر لپٹ گئی

میری خالہ جان سیالکوٹ کے ایک گاؤں میں بیاہ کر گئی ہیں، خالہ جان کی ایک پھوپھی کراچی میں ہمارے گھر کے قریب ہی رہتی ہیں وہ بہت خوش مزاج ہیں۔ اور اکثر اپنے گاؤں کے رسم و رواج اور وہاں کے دلچسپ واقعات سناتی رہتی ہیں۔ ایک دن انہوں نے اپنی شادی کا دلچسپ واقعہ سنایا ان ہی کی زبانی سنئے۔

ہماری شادی عجیب حالات میں ہوئی ایک ہفتے کے اندر اندر شادی طے ہوئی اور نکاح رخصتی سب کچھ ہو گیا اور میں اپنے میاں کے ساتھ کراچی بھی آ گئی۔ میری نند جو میری بھابی بھی ہیں، اور چچا زاد بہن بھی ہیں ان کی شادی بھی اسی روز ہوئی۔ گویا ایک ہی دن میں دونوں شادیاں ہوئیں پہلے میرے بھائی کی بارات میرے چچا کے گھر گئی۔ ادھر سے ڈولی لے کر آئے تو میری رخصتی کی تیاریاں ہونے لگیں، ہمارے گھر قریب قریب تھے۔ دونوں دولہاؤں نے طے کر لیا تھا کہ نہ تو جہیز دیں گے نہ لیں گے۔ مجھے سرخ کی بجائے گہرے جامنی رنگ کا سادا سوٹ پہنایا گیا۔ اور سوائے ایک سونے کی انگوٹھی کے اور کوئی زیور نہ تھا۔ رخصتی کے وقت سب باری باری مجھے گلے لگا کر رونے لگے۔ سب سے آخر میں میں اپنے پاس کھڑے دولہا کو بھائی جان سمجھ کر لپٹ گئی اور رونے لگی اچانک مجھے سب لوگوں کے ہنسنے کی آوازیں آنے لگیں۔ میں لمبے گھونگھٹ کی وجہ سے کچھ نہ دیکھ سکی کہ جسے میں لپٹی ہوئی ہوں وہ کون ہے۔ اسی وقت میری ایک سہیلی نے مجھے بازو سے پکڑ کر کھینچ لیا اور میرے کان میں بولی "کمبخت ابھی سے کیوں اپنے دولہا سے لپٹی جا رہی ہے۔ تھوڑا صبر کر لے گھر جا کر لپٹ" یہ سن کر میں بوکھلا گئی۔ اور شرم سے دوہری ہو گئی۔ واقعہ یہ تھا کہ میں اپنے دولہا کو بھائی جان سمجھ کر لپٹ گئی تھی یہ واقعہ یاد کر کے اب بھی میں شرم سے پسینے پسینے ہو جاتی ہوں کہ مجھے اس سے لپٹا دیکھ کر لوگ کیا سوچتے ہوں گے؟ اور میرے میاں تو شادی کے بعد اتنے سال گزرنے کے باوجود اب تک وہ واقعہ یاد دلا کر چھیڑتے رہتے ہیں۔

(رشیدہ کوثر)

حادثہ رحمت بن گیا

یہ واقعہ کچھ عرصہ پہلے ہمارے بھائی جان کو پیش آیا۔ انہی کی زبانی سنئے۔ میں پاک آرمی کے کیپٹن کی حیثیت سے اپنے فرائض انجام دے رہا تھا۔ فرائض کی ادائیگی کے لئے مجھے اکثر لاہور سے قصور جانا ہوتا تھا۔ ایک دن ہم گاڑی پر حسب معمول جا رہے تھے کہ نہ جانے کیسے ایک ہنستا کھیلتا بچہ ہماری گاڑی کے نیچے آ گیا۔ بچے کو زخمی حالت میں ہسپتال لے جایا گیا اور کچھ دیر بعد ہم بھی اپنی منزل کی طرف روانہ ہو گئے۔ جوں جوں دن گزرتے گئے یہی خیال دل میں ہر وقت کانٹے کی طرح کھٹکتا رہا کہ نہ جانے وہ بچہ کس حال میں ہو گا۔ اس کے ماں باپ بھائی بہنوں کا کیا حال ہو گا۔ کافی دنوں بعد اتفاق سے ہمارا گزر پھر اسی جگہ سے ہوا۔ ہماری گاڑی کو آتے دیکھ کر لوگوں نے شور برپا کر دیا۔ سڑک پر ایک مجمع اکٹھا ہو گیا۔ ہم نے گاڑی روک لی وہی ہیں یہ وہی ہیں جیسی آوازیں ہمارے کانوں سے ٹکرانے لگیں۔ میرے ساتھی نے سوالیہ نظروں سے میری جانب اور میں نے اس کی جانب دیکھا۔ ہم ذہنی طور پر سب کچھ سننے سہنے کے لئے تیار تھے۔ جونہی میں نے گاڑی سے نیچے قدم رکھا، ایک بوڑھا شخص مجھ سے لپٹ کر رونے لگا اور بولا آپ میرے محسن ہیں اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہمارے لئے فرشتہ بنا کر بھیجا تھا اور اس کے بعد جو مجھے بتایا گیا اسے سن کر میری خوشی کی انتہا نہ رہی۔ خوشی اس بات کی کہ ایک تو وہ بچہ معجزانہ طور پر بچ گیا۔ دوسرے یہ کہ بچہ پہلے سننے اور بولنے سے معذور تھا۔ حادثے کے بعد اس کی یہ دونوں حسیں لوٹ آئیں۔ میں فوراً اس بچے کو دیکھنے گیا بچہ صحت مند اور خوش و خرم تھا۔ وہ یقیناً میری زندگی کے یادگار اور انمول لمحے تھے۔ خداوند کریم کے ہر کام میں کتنی بہتری ہے۔ انسانی سوچ و سمجھ سے قاصر ہے۔

(فہمیدہ رضا)

کیا انہیں موت پکار رہی تھی؟

یہ واقعہ آج سے کوئی ایک سال قبل کا ہے جو میرے ساتھ پیش آیا میں اور میرے ایک دوست نے گرمیوں کی چھٹیاں گزارنے کے لئے مری جانے کا پروگرام بنایا ٹھیک آٹھ بجے صبح مری جانے کے لئے فیصل آباد جی ٹی ایس کے اڈہ پر پہنچے اور ٹکٹ خرید کر بس میں سوار ہو گئے کیونکہ ہم نے سفر کرنے کے لئے ہم ڈرائیور کے سامنے والی فرنٹ سیٹ پر بیٹھ گئے ابھی ہمیں سیٹ پر بیٹھے کوئی تین منٹ ہوئے ہوں گے کہ دو نوجوان ہمارے پاس آئے اور کہنے لگے کہ یہ سیٹ ہم نے روک رکھی ہے جس پر آپ لوگ بیٹھے ہیں۔ ہم نے لاکھ کوشش کی کہ ہم سیٹ نہ چھوڑیں کنڈیکٹر نے بھی انہیں بہت سمجھایا لیکن وہ اپنی بات پر بضد رہے آخر مسافروں کے کہنے پر ہم نے سیٹ چھوڑ دی اور بس سے نیچے اتر آئے اور دوسری بس میں سوار ہو گئے ٹھیک پانچ منٹ بعد بس روانہ ہوئی اور ہم دونوں دوست گپ شپ میں مصروف ہو گئے ابھی پہلی بس نے تقریباً پچاس میل طے کئے ہوں گے جہلم نامی قصبے کے نزدیک وہی بس جس میں ہم لوگ پہلے سوار ہوئے تھے حادثہ کا شکار ہو چکی تھی ہم جلدی سے نیچے اترے اور زخمی لوگوں کو بس سے نکالنے لگے ہم یہ دیکھ کر چونک گئے کہ وہی دونوں نوجوان جو ہم سے سیٹ کے مسئلہ پر جھگڑ رہے تھے بری طرح کچل کر جاں بحق ہو چکے تھے فوراً ہمیں اپنی ماؤں کی دعا یاد آ گئی جو انہوں نے ہمیں روانہ ہوتے وقت دی تھی اور اسی وجہ سے ہمیں اللہ تعالیٰ نے اس خطرناک حادثہ سے محفوظ رکھا۔

(عبدالعزیز الیاسی)

آج سے تقریباً پچیس سال پہلے کا ذکر ہے میرے ماموں جان ایک دن گلوب سینما میں فلم دیکھنے گئے ہوئے تھے کے دن تھے نو سے بارہ کا شو تھا جب رات کے بارہ بجے واپس آ رہے تھے تو انہیں ایک جگہ کا ایک درخت پڑتا تھا درخت کے نیچے ایک چار یا پانچ سال کی بچی کھڑی تھی کہنے لگی "السلام علیکم" ماموں نے کہا وعلیکم السلام انہوں نے سوچا شاید یہ بچی گم ہو گئی ہے یہ سوچ کر انہوں نے بچی کو گود میں اٹھانے کا سوچا لیکن پھر یہ خیال آیا کہ اتنی رات کو کون سیر کرنے آئے گا انہوں نے یہ سوچ کر بچی کو پیچھے چھوڑا اور تیز تیز قدم بڑھاتے ہوئے آگے نکل آئے۔ آگے آئے تو دیکھا کہ وہ پھر آگے کھڑی ہے ماموں بہت ڈرے وہ اسے پیچھے چھوڑ جاتے۔ آگے جاتے تو پھر وہ نظر آتی اتنے میں ایک تانگے والا نظر آیا وہ تانگے میں بیٹھ گئے اور تانگے والے سے کہا کہ انہیں گھر کے بالکل پاس اتارا جائے۔ تانگے سے اتر کر ماموں جب گھر میں داخل ہوئے تو آواز آئی "تمہاری قسمت اچھی تھی جو بچ گئے" ماموں نے نانا جان کو بتایا لیکن انہوں نے وہم خیال کیا لیکن ماموں کو کئی دنوں تک اس واقعہ کے خوف سے بخار چڑھتا رہا اور اب بھی وہ اس سڑک سے نہیں گزرتے۔

(مسز طاہرہ رشید)

موت سے فرار

یہ دلچسپ اور سنسنی خیز واقعہ آج سے تقریباً ساٹھ برس پرانا ہے۔ جو بھارت کی ایک ریاست کپور تھلہ میں رونما ہوا۔ یہ واقعہ بالکل صداقت پر مبنی ہے۔

لکھن ریاست کپور تھلہ کا ایک بہت بڑا قصبہ تھا۔ لکھن کی آبادی اکثر مسلمانوں پر مشتمل تھی۔ صبح کا وقت تھا کہ ہمارے ماموں کی پڑوسن نے خبر دی کہ رحمت علی کے گلشن میں ایک پھول نے جنم لیا ہے۔ ہمارے گھر والے بھی اس ننھی سی جان کو دیکھنے گئے۔ بچہ چندے آفتاب چندے ماہتاب تھا۔ رحمت علی کو ہر طرف سے مبارکباد کے پیغامات وصول ہو رہے تھے۔

وقت کے ساتھ ساتھ بچہ بھی پروان چڑھتا جب وہ آٹھ برس کا ہوا تو وہ دوپہر کو گرمی ہونے کی وجہ سے چارپائی پر لیٹ گیا۔ وہ کافی دیر تک لیٹا رہا آخر ماں نے اسے بیدار کرنا چاہا ماں نے اسے ہلایا اور کہا کہ بیٹا اٹھو شام کے چار بج رہے ہیں۔ تم ہر کر ابھی تک سو رہے ہو۔ بچے نے نہ اٹھنا تھا نہ اٹھا ماں نے بچے کو ایک مرتبہ پھر جھنجھوڑا بچے نے اس مرتبہ بھی حرکت نہ کی۔ ماں کا کلیجہ انجانے خوف سے دھڑکنے لگا۔ اس نے اپنے خاوند رحمت علی کو بتایا وہ بھاگا بھاگا ڈاکٹر کو بلا لایا۔ ڈاکٹر نے بچے کی نبض چیک کر کے اس کی موت کی خبر سنا دی جو بجلی بن کر اس کے سرتوں بھرے آشیانہ پر گری ہر طرف سے رونے دھونے کی صدائیں فضا میں بکھرنے لگیں۔ ماں اپنے بالوں کو نوچ رہی تھی بہنیں اپنے بھائی کی قضا پر الگ گریہ زاری کر رہی تھیں باپ کی آنکھوں سے سفید سفید آنسو بہہ رہے تھے لیکن ان کی یہ چیخ و پکار بچے کو زندگی نہیں بخش سکتی تھی۔

آخر کار بچے کو غسل دیا گیا کفن پہنایا گیا اور چارپائی پر لٹا کر قبرستان لے جایا گیا جب نماز جنازہ سے فارغ ہو کر بچے کو قبر میں اتارنے لگے۔ تو وہ اچانک اٹھ بیٹھا۔ یہ منظر دیکھ کر جنازے کے ساتھ آئے ہوئے لوگ بہت خوفزدہ ہوئے بچے نے اپنے ارد گرد کا ماحول دیکھا تو بہت پریشان ہوا۔ اس نے جلدی سے چارپائی سے چھلانگ لگا دی۔ مولوی صاحب اور دوسرے لوگ دم دبا کر بھاگ کھڑے ہوئے لیکن جب بچہ کفن سمیت اپنے گھر آیا تو اس کی ماں اور بہنیں بھی اسے دیکھ کر ڈرنے لگیں۔ بچے نے اپنی ماں کو یقین دلایا کہ وہ مرا نہیں بالکل زندہ ہے اس کے گھر والے مسلسل لرز رہے تھے بچے نے ایک مرتبہ پھر کہا کہ وہ انسان ہی ہے کوئی بھوت نہیں ہے۔ جب ان کو یقین ہو گیا تو ماں نے بڑھ کر اپنے جگر کے گوشے کو سینے سے لگا لیا۔ بہنوں کے افسردہ چہرے مسرت سے تمتما اٹھے تھی کہ ہمارا گھر ایک بار پھر خوشیوں کے جھولے جھولنے لگا لیکن ان کی یہ خوشی دیرپا ثابت نہ ہوئی تقریباً تین گھنٹے بعد بچے کو پھر دورہ پڑا اور اس کی روح جسم سے پرواز کر گئی۔ رونے پیٹنے کا ایک اور زبردست ریلا آیا جس نے سارے محلے کو ایک بار پھر پریشان کر دیا۔ لوگ ان کی چوکھٹ پر اکٹھے ہونے لگے۔ بچے کو ایک بار پھر قبرستان لے جایا گیا۔ نماز جنازہ سے فارغ ہو کر جب لوگ دفنانے لگے تو بچہ اس بار پھر زندہ ہو گیا لوگ اس بار تو سخت پریشان ہوئے۔ لیکن بچے نے ان کو اپنی زیست کے متعلق بتایا۔ کہ وہ سانس لے رہا ہے پہلے تو لوگ ڈرتے رہے۔ جب ان کو یقین ہو گیا کہ یہ انسان ہی ہے کوئی بھوت نہیں تو باپ نے بڑھ کر بچے کو گلے لگا لیا۔ ان کا گھر ایک بار پھر خوشیوں سے مالا مال ہو گیا۔ وہ بچہ آج بھی زندہ ہے لیکن اب وہ بچہ نہیں ایک بوڑھا آدمی ہے جب وہ زیست اور قضا کا یہ الجھا ہوا کھیل سناتا ہے تو خود بھی حیران ہو جاتا ہے اور پھیکی سی مسکراہٹ اس کے لبوں پر بکھر جاتی ہے۔

(محمد اسلم آزاد)

خدا کے نزدیک بہترین دوست وہ ہے جو اپنے دوست کا خیر خواہ ہو (نبی کریمؐ)

جہاد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

[illegible]

نظر بد سے حفاظت کیلئے

[illegible]

نظر و جادو سے حفاظت

[illegible]

نور و مبین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

[illegible]

دانتوں کا علاج

[illegible]

حکمت قرآن

اللہ

[illegible]

تنبیہ!

[illegible]

ازدواجی زندگی کا تجزیہ کریں

[illegible]

MONTHLY AAWAZ

ماہنامہ آواز (اسکاربرو، کینیڈا)

پبلشر: ظہیر جودی
ایڈیٹر: سہیل افضر

اپنا تو کام ہے کہ جلاتے چلو چراغ
رستے میں خواہ دوست کہ دشمن کا گھر ملے

آسماں تیری لحد پہ شبنم افشانی کرے



[illegible]

[illegible] کی سزا

[illegible]

[illegible]

ریاض بٹالوی



ماں باپ میں طلاق کے بعد بچوں پر کیا گذرتی ہے؟

فیملی جج کی عدالت میں ایک پانچ سالہ خوبصورت بچہ ایک برقعہ پوش خاتون کی ٹانگوں سے لپٹا کھڑا تھا۔ وہ ڈرا ڈرا اور سہما نظر آتا تھا۔ اور پھٹی پھٹی آنکھوں سے کمرہ عدالت اور عدالت میں آنے جانے والے لوگوں کو دیکھ رہا تھا۔ برقعہ پوش خاتون ۔ اس بچے کی ماں تھی۔ بچے کا باپ اپنے وکیل کے ہمراہ اندر داخل ہوا اور کٹہرے کے قریب جا کر کھڑا ہو گیا۔ اس کے وکیل نے جج کے سامنے ایک کاغذ پیش کیا۔ فاضل عدالت نے کاغذ پر ایک نگاہ ڈالی اور دستخط کر کے ریڈر کو دے دیا۔ عدالت نے خاتون سے کہا کہ وہ بچے کو ایک روز کے لئے اُس کے باپ کے حوالے کر دے اور باپ کو ہدایت کی کہ دوسرے روز شام ڈھلنے سے پہلے بچے کو اُس کی ماں کے پاس چھوڑ آئے۔

عدالت کی کارروائی کی تکمیل کے بعد خاتون نے بچے کا ہاتھ پکڑ کر مخالف وکیل کی طرف بڑھا دیا۔ اور جب باپ اپنے لخت جگر کو بانہوں میں اٹھانے کے لئے آگے بڑھا تو بچہ چیخ چیخ کر رونے لگا۔ وہ بلند آواز سے روئے جا رہا تھا اور کہے جا رہا تھا "میں اپنی امی کو چھوڑ کر نہیں جاؤں گا۔"

اس بچے کا المیہ یہ ہے کہ والدین میں علیحدگی ہو چکی ہے اور فیملی لاء کے تحت اُسے کچھ عرصے کے لئے ماں کے پاس رہنا ہے۔ اور سات سال کی عمر تک پہنچنے کے بعد ماں سے الگ ہو جانا ہے۔ باپ کو موجودہ قانون نے یہ حق بھی دے رکھا ہے کہ وہ اس دوران متعلقہ عدالت کی اجازت سے اپنی اولاد سے مل سکتا ہے۔ اور اسے چند گھنٹوں کے لئے اپنے پاس رکھ سکتا ہے۔ آج اسی قانون کی رو سے باپ اپنے بیٹے کو لینے آیا تھا۔ اور مطلقہ بیوی کو تڑپتے اور روتے ہوئے پیچھے چھوڑ گیا تھا۔ اور ایک سال بعد جب عمر کی حد ختم ہو جائے گی تو بچہ اپنی ماں سے ہمیشہ کے لئے جدا کر دیا جائے گا اور باپ اُسے دادی، پھوپھی یا سوتیلی ماں کی بانہوں میں ڈال دے گا۔ ٹوٹے رشتوں کا کرب ایک معاشرتی دکھ اور ایک اخلاقی روگ بن کر بچے کی رگ رگ میں نفرت، محرومیت اور انتقام کا زہر سمو دے گا۔ اور یہ ایک بچہ نہیں ہوگا۔ جو معاشرے میں ٹوٹے رشتوں کی دہائی دیتا پھرے گا اور اجڑے گھروں کا غبار بن کر انسانی زندگی میں آلودگی پھیلاتا رہے گا۔ اس جیسے بے شمار بچے اہلِ دل سے سوال کرتے سنائی دے رہے ہیں کہ وہ کون ہیں؟ کہاں ہیں؟ اور کیا ہیں؟ ایک محتاط اندازے کے مطابق میاں بیوی کے درمیان علیحدگی کے نتیجے میں اپنی ماؤں یا باپوں کے پاس رہنے والے بچوں کی اکثریت احساس محرومی کا شکار ہو کر منفی سوچوں میں مبتلا ہو جاتی ہے اور وہ ہر لمحہ یہ محسوس کرتی ہے کہ والدین نے اپنی محبتوں، نفرتوں اور ضد کی خاطر ان سے ناانصافی کی ہے۔ انہیں اپنے جبر کا نشانہ بنایا ہے۔

ایک نفسیاتی معالج نے ٹوٹے ہوئے رشتوں اور بکھرے گھرانوں سے تعلق رکھنے والے بچوں کے مسائل کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ یہ بدنصیب معاشرے میں کسی جگہ آسانی سے فٹ نہیں ہوتے اور ردعمل کے طور پر غصے اور نفرت کو سینوں میں پالتے رہتے ہیں انہوں نے ایک سات سالہ بچے کی کیس ہسٹری بیان کرتے ہوئے کہا کہ وہ اپنی مطلقہ ماں کے پاس رہتا ہے اور اسے اپنے باپ کی ہر چیز سے چڑ ہے۔ گذشتہ سال اس کی چھٹی سالگرہ پر باپ نے کتابوں کا تحفہ بھیجا تو بچے نے تمام مہمانوں کے سامنے کتابوں کا ورق ورق الگ کر دیا وہ کتابیں پھاڑ رہا تھا اور چیخ رہا تھا کہ "وہ میرا دشمن ہے"۔ میں اس کی کسی چیز کو ہاتھ نہیں لگاؤں گا۔ ماہر نفسیات کے بقول اس بچے نے اپنے ذہنی تجزیہ کے دوران معالج کو بتایا کہ باپ کا تصور کر کے اس کے ذہن میں برے برے خیال آتے ہیں۔ اور اسے بھنبھوڑنے کو اور کپڑے پھاڑنے کو جی چاہتا ہے۔

"مجھے یاد ہے میں پانچ سال کی تھی جب میرے پاپا نے میری ماں سے علیحدگی کا فیصلہ کیا اور ہم دو بہنوں کو روتے ہوئے چھوڑ کر گھر سے چلے گئے میں نے انہیں پکارنا چاہا اسے روکنا چاہا اس کی ٹانگوں سے لپٹنا چاہا مگر صدمے اور دکھ سے آواز میرے حلق میں دب کر رہ گئی تب سے میں نے اچھائیوں اور نیکیوں کے بارے میں سوچنا چھوڑ دیا اور برائیوں نے میرے دل میں گھر کر لیا۔ میں نے عنفوان شباب میں اس کیفیت کے ساتھ قدم رکھا ہے کہ خوشی میں اداس ہو جاتی ہوں اور اداسی میں خوشی کا اظہار کرنے لگتی ہوں۔" یہ الفاظ کراچی کی ایک نوجوان سوسائٹی گرل کے ہیں اور اس کی بربادی اور تباہی کا سبب یہ ہے کہ ماں باپ کے درمیان مستقل علیحدگی نے اس کی راہیں ہی بدل دی ہیں اور بقول اس آوارہ لڑکی کے "بجائے خود کو برباد کر کے اپنے خود غرض والدین سے انتقام لیا ہے۔"

ہمارے اردگرد، ہمارے درمیان اور ہمارے سامنے موجود مطلقہ والدین کے بچے بظاہر اس دھرتی کے عام بچوں کی سی زندگی بسر کرتے ہیں۔ کھاتے ہیں پیتے ہیں۔ ہنستے ہیں بولتے ہیں اور زندگی کے معمولات میں ایسے ہی حصہ لیتے ہیں۔ جیسے وہ بچے جن کی خوشیوں میں ان کے ماں باپ دونوں برابر کے شریک ہیں وہ عمدہ سوٹ پہنتے ہیں۔ جینز جیکٹ زیب تن کرتے ہیں اور غباروں، آئس کریم اور رائیڈنگ کا شوق کرتے ہیں۔ لیکن درحقیقت وہ دوسروں سے مختلف ہوتے ہیں اور ان کے رویے میں اکتاہٹ اداسی پریشانی اور غمی کا عنصر نمایاں ہوتا ہے ان کا سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ واقف حال لوگ ان کے بارے میں کبھی جذبۂ رحم کا اظہار کرتے ہیں کبھی انہیں حقارت کی نگاہوں سے دیکھتے ہیں اور کبھی ان کے بارے میں تمسخر، ہمدردی اور بے رحمی کے ملے جلے جذبات کا اظہار کرتے ہیں سکول جانے والے ایسے بچے اپنے ساتھیوں کے سامنے "دلزدہ سے بنے رہتے ہیں اور ان کے مذاق اور تضحیک کا نشانہ بنتے ہیں برادری اور خاندان میں ان کے والدین کی ٹریجڈی کا ذکر آتا ہے، تو ماں اور باپ کے بارے میں متضاد آراء سن کر وہ بسا اوقات دل شکستہ اور کبھی غصے میں آ جاتے ہیں اور خود کو درماندہ، مظلوم اور بے سہارا جان کر گوشۂ تنہائی اختیار کر لیتے ہیں۔ ذہنی پسماندہ بچوں کی معالج ایک خاتون ڈاکٹر کا کہنا ہے کہ صرف ماں یا صرف باپ کے زیر سایہ پرورش پانے والے بچے دو عملی اور دورخی کا مظاہرہ کرتے ہیں اور وہ اس لئے کہ سن شعور کو پہنچ کے بعد وہ کبھی ماں کو ظالم سمجھتے ہیں اور کبھی باپ کو سنگدل گردانتے ہیں اور ان کی یہ سوچ ان کی فطرت ثانیہ بن جاتی ہے۔ دماغی امراض کے ایک معروف معالج کے بقول ذہنی امراض میں مبتلا ۹۰ فیصد بچوں کی بیماری کا سبب والدین کی ناچاقی، ذاتی جھگڑے اور ان میں علیحدگی یعنی طلاق بنتی ہے۔

اس مسئلہ کا دوسرا پہلو ایسی بیویوں اور شوہروں کی دوسری شادی ہے جو اپنے ساتھ پہلے شوہروں کی یا بیویوں کی اولادیں لے کر آتے ہیں۔ ساہیوال جیل کے ایک نوجوان قیدی نے بتایا کہ اس کی ماں نے ایک ایسے مرد سے دوسری شادی کی تھی جس کی پہلی بیوی سے دو بچے تھے شادی کے بعد ان کے ہاں دو بیٹے پیدا ہوئے اور اس نے محسوس کیا کہ ماں اور سوتیلے باپ کی تمام تر توجہ اپنی اس اولاد پر ہے۔ جب کہ سوتیلے بھائی بہنوں میں بھی ایک خلا اور ایک کھچاؤ موجود تھا نتیجتاً وہ اس ماحول سے متنفر ہو گیا۔ اور خود کو بے سہارا اور لاوارث سمجھنے لگا۔ اس کے ذہن میں یہ بات بھی بیٹھ گئی کہ ماں اور باپ دونوں اس سے اچھا سلوک نہیں کرتے اور وہ ناانصافیوں کا شکار ہو رہا ہے۔ ان منفی سوچوں نے اسے بے رحم بنا دیا۔ اور ردعمل کے طور پر پہلے اس نے اپنے حقیقی باپ کو قتل کیا اور بعد میں سوتیلے باپ کو خون میں نہلا دیا اپنے باپ کو گولی کا نشانہ بناتے ہوئے وہ چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا "تم نے مجھے کن گناہوں کی سزا دی ہے"۔ اور اپنے سوتیلے باپ کو قتل کرتے ہوئے وہ بلند آواز میں کہہ رہا تھا "تم نے مجھ سے میری ماں چھین لی ہے"۔

ایک نوجوان خاتون میرے پاس آئی اور اپنی داستان سناتے ہوئے کہنے لگی کہ "وہ مطلقہ ہے اور شوہر نے اسے چند سال قبل معمولی جھگڑے پر طلاق دے دی تھی۔ پہلے شوہر سے اس کا بیٹا ہے اور یہ بچہ اسی کے پاس ہے۔ چند ماہ پیشتر اس نے دوسری شادی کر لی ہے۔ مگر یہ بچہ اپنے سوتیلے باپ سے سخت نفرت کرتا ہے۔ اور اُسے دیکھتے ہی چیخنے لگتا ہے اور گالیاں بکتا ہے ابھی کل کی بات ہے بچے نے اس کے دوسرے شوہر کے کپڑے پھاڑ دیئے اور دھمکی دیتے ہوئے بولا کہ وہ اُسے گولی مار دے گا۔" بچے کے اس سخت رویہ سے اس کا دوسرا شوہر سخت پریشان ہے اور وہ ڈرتی ہے کہ کہیں بچے پر ہاتھ نہ اٹھا دے۔

ایک تعلیم یافتہ نوجوان لڑکی میرے پاس آئی اور کہنے لگی کہ اُسے کسی ایسے ادارے میں ملازمت دلا دی جائے جہاں رہائش کا بندوبست بھی ہو۔ اس کے والدین اور گھربار کے بارے میں دریافت کیا تو کہنے لگی کہ وہ اپنا گھر چھوڑنا چاہتی ہے۔ میں نے پوچھا کہ وہ گھر میں کیوں نہیں رہنا چاہتی؟ جواب ملا

ٹوٹے رشتوں کا کرب
ایک معاشرتی دُکھ
ایک اخلاقی روگ

کہ وہ ۱۰ سال کی تھی کہ اس کے والدین میں علیحدگی ہو گئی۔ ماں علیحدگی کے بعد دو سال زندہ رہی اور مر گئی۔ ماں کی موت کے بعد باپ اُسے اپنے پاس لے آیا اور دادی کے حوالے کر دیا۔ بے شک باپ نے اسے بہت پیار دیا ہے۔ اور اس کے جذبات اور احساسات کا بہت خیال رکھا ہے۔ لیکن اب وہ دوسری شادی کرنا چاہتا ہے۔ اس نے باتوں ہی باتوں میں والد کو دوسری شادی سے باز رکھنے کی کوشش کی۔ اور آج جب کہ اس کی سالگرہ تھی گھر میں مہمان جمع تھے۔ تو باپ کی دوسری شادی کی بات چھڑ گئی اس نے اس گفتگو کا برا منایا اور والد اس پر دیوانوں کی طرح برس پڑا۔ اور غصے میں گھر چھوڑنے کی دھمکی دے کر باہر چلا گیا۔ وہ سوچتی ہے کہ اگر والد نے دوسری عورت سے ناطہ جوڑنا ہے تو وہ کیوں اس کے گھر میں رہے۔

ایک اندازے کے مطابق پاکستان کی مختلف عائلی عدالتوں میں طلاق، علیحدگی، نان نفقہ اور خلع کے کم و بیش ۸۰ ہزار مقدمات ہیں۔ دس ہزار سے بیس ہزار تک بچے اپنے مستقبل کے فیصلوں کے منتظر ہیں ان میں سے بعض بچوں کی عمریں چند ماہ اور بعض کی ۱۲ سال ہیں۔ انہیں اگرچہ والدین کے درمیان ہونے والے جھگڑوں کی نوعیت معلوم نہیں لیکن وہ گھریلو فضا اور خاندانی مسائل سے متاثر ضرور ہیں وہ نہیں جانتے کہ ان کا مستقبل ماں کے آنسوؤں بھرے دامن سے وابستہ ہے یا باپ کے کرخت ہاتھوں میں ان کی قسمت ہے پھر بھی وہ اتنا ضرور سوچتے ہیں کہ معلوم ہو جائے انہیں کس کے پاس رہنا ہے اور کس کے ساتھ جانا ہے۔

بعض تعلیمی اداروں اور سماجی تنظیموں کے سروے کے مطابق ہمارے ہاں ایسے بچوں کی تعداد کسی صورت ۳۰ ہزار سے کم نہیں ہے جن کے والدین میں علیحدگی ہو چکی ہے ایک تاثر یہ بھی ملتا ہے کہ ہر سال ۵۰۰ سے ایک ہزار میاں بیوی کے درمیان علیحدگی ہو جاتی ہے اور یہ اعداد و شمار بڑھتے جا رہے ہیں طلاق اور علیحدگی کی وجوہات کیا ہیں اس بات سے قطع نظر ۱ سے ۱۰ سال کے درمیان ایسے ہزاروں بچے معاشرے کے لئے ایک الجھن ایک دکھ اور ایک سوال بنے ہوئے ہیں جن کے ماں باپ نے اپنے ذاتی اختلافات اور خاندانی جھگڑوں کی وجہ سے انہیں بیمار، نڈھال، افسردہ اور لاوارث بنا دیا ہے سوچا جا سکتا ہے کہ ان منفی سوچوں کے درمیان پرورش پانے والے ایک بچے کی زندگی کیا رخ اختیار کرے گی، اور کن معاشرتی اور اخلاقی اقدار کو پروان چڑھائے گا

پاکستان کی مختلف عدالتوں میں طلاق کے کم و بیش ۸۰ ہزار مقدمات زیر سماعت ہیں

ماہانہ آواز کا آئندہ شمارہ
جوش ملیح آبادی نمبر ہوگا۔

"والدین کے سامنے کلمہ اف بھی نہ کہو اور نہ ہی ان کو جھڑکو، ان سے ادب سے بات کرو۔ ان کے سامنے اپنے رحمت و شفقت کے بازوؤں کو پست کرو۔"
(قرآن حکیم)

اس ہفتے کا منتخب افسانہ

اعجاز احمد فاروقی

دس سپاہی سات ملنگ



منفرد افسانہ نگار جناب اعجاز احمد فاروقی کے قلم نے افغانستان کے المیے کو جس طرح محسوس کیا، وہ اپنی مثال آپ ہے۔

ایک نے کہا یہ تو زیارت معلوم ہوتی ہے دوسرے نے کہا یہ تو کوئی مزار معلوم ہوتا ہے۔ تیسرے نے کہا یہ کوئی خانقاہ معلوم ہوتی ہے چوتھے نے کہا یہ کہیں کوئی گوریلوں کی کمین گاہ نہ ہو پھر چوتھے کی شکیہ رائے اور اندازے نے سب کے ذہنوں میں ایک وسوسہ پیدا کر دیا، اور چند منٹ کی باہمی گفتگو نے سب کو اس اقدام کے لئے ہم خیال بنا دیا کہ ہوشیاری کے ساتھ اس خانقاہ کا محاصرہ کر لیا جائے چنانچہ دس کے دس شانہ گنتت کے روسی سپاہی خانقاہ کا محاصرہ کرنے کے لئے چل پڑے وقت ایسا تھا جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ آدھی رات ادھر آدھی رات ادھر، سوئے سنسار جاگے پاک پروردگار۔ روس کے فوجی سپاہیوں نے بہت آسانی کے ساتھ اس پہاڑی اور پہاڑیوں میں گھری ہوئی خانقاہ کا محاصرہ کر لیا۔ اور اس کے چہار سُو کا اچھی طرح جائزہ لیا کہ کہیں کوئی اسلحہ وغیرہ تو پوشیدہ نہیں۔ جب وہ اس تلاش سے مطمئن ہو گئے تو انہوں نے اپنی پوری توجہ خانقاہ پر مرکوز کی جو اس پہاڑی علاقے میں صرف ایک کمرے پر مشتمل تھی اور پتھروں اور لکڑی سے تعمیر کی گئی تھی۔

خانقاہ کے اندر سات ملنگ تھے اور ایک والہانہ رقص میں مصروف تھے انہیں کچھ علم نہیں تھا کہ باہر کیا ہو رہا ہے وہ بے خود ... آوازیں بھی نکال رہے تھے ... پسینے میں شرابور ... سب ملنگ ... تھے جن کا رنگ سرخ تھا۔ سب کے سب پسینے میں تر ہو رہے تھے ... ہیں وہ تین سروں کے ... رہے تھے اور کمرے کے عین درمیان کوئی ... بھر جگہ کھدی ہوئی تھی جس میں لکڑیاں بھری ہوئی تھیں اور ... جل رہی تھیں اور کمرے کی اندرونی فضا کو گرم کیا ہوا تھا باہر تو بہت تیز سردی تھی آگ اور دیوں کی روشنی کمرے کی درازوں سے باہر نکل رہی تھی۔ اسی نے شانہ گنتت ... بعض ذہنوں کو اس طرف متوجہ کیا تھا اور وہ اپنا ٹرک سڑک پر چھوڑ کر اپنا شک رفع کرنے ... اور خانقاہ کا محاصرہ کر لیا تھا۔

پہلے ... کے گرد و نواح کا اچھی طرح جائزہ لیا تھا ... کوئی ایسی ... موزوں جگہ نہیں ملی تھی جہاں ہلکا یا بھاری اسلحہ چھپایا جا سکتا، البتہ ایک قبر ضرور دکھائی دے رہی تھی قبر کے اوپر چار بہت ہی مختصر پودے اس بات کی شہادت تھے کہ قبر کو بنے ہوئے بھی کوئی آٹھ دس روز ہوں گے قبر کے سرہانے ایک پتھر بھی نصب تھا جس پر لکھا تھا: حکمت یار آفریدی شہید۔

اسی قبر پر ایک روسی نے دوسروں سے کہا یہ جگہ چند سال کے اندر اندر ایک بہت بڑا کاروباری مرکز بن جائے گی اور یہ جو نکھٹو اندر ناچ کود رہے ہیں، عوام کا خوب استحصال کریں گے، مگر اس وقت وہ سب کے سب ہر بلب تھے اور رقصاں ملنگوں کا تماشہ دیکھ رہے تھے۔ ان کا رقص بہت پرجوش تھا اور مستانہ تھا اور دیکھنے والوں کے دلوں میں بھی ایک ترنگ سی پیدا کر رہا تھا چند ایک کو اپنی اپنی جگہ یہ خیال بھی آیا کہ چونکہ ملنگوں کے پاس گرم کپڑے نہیں، لہٰذا وہ اسی رقص کے ذریعے اپنے جسم گرم کر رہے ہیں۔

فوجی دیکھ رہے تھے۔ کمرے کا فرش کچا ہے۔ آگ پر رکھی ہوئی ایک کیتلی میں پانی کھول رہا ہے۔ کمرے میں کوئی بستر، چارپائی اور چٹائی نہیں۔ ایک طرف میلے کپڑوں کا بے ہنگم سا ڈھیر ضرور ہے۔ دو چار برتن، آٹھ دس پیالیاں اور اتنی ہی رکابیاں ادھر ادھر اوندھی سیدھی پڑی ہوئی ہیں جن کمرے کے اسی قسم کے اندرونی ساز و سامان سے یہ اندازہ ضرور ہو رہا تھا کہ وہ ملنگ وہاں کوئی مستقل رہائش نہیں رکھتے کچھ عجب نہیں کہ وہ سردی کے ستائے ہوئے خانہ بدوش ہوں جو شب بسری کے لئے وہاں رک گئے ہوں۔ وہ سب کے سب قد آور، تنومند اور مضبوط نظر آ رہے تھے۔ البتہ ان کے لباس اور ... ان کی غربت اور ... کی ... رہے تھے۔

پھر ایک ... شور ہوا ... اچھی ... ہوئی اور ... کا رقص ... گیا رقص ... ملنگوں نے ... دیکھا کہ دس روسی سپاہی حجرے میں آ گئے ... اور سب کو ... بندوقوں کی زد میں لیا ہوا ہے۔

سات ... کے سات ... ایک عالم ... میں تھے کہ یہ بلائے ناگہانی کہاں سے نازل ہو گئی ... روسیوں نے انہیں ... کے ... کے ساتھ ... کھڑا کر دیا ... جامہ تلاشی لی، پھر ملنگوں کی جامہ تلاشی ہوئی ... ان ... تلاشیوں میں دو چار ٹوٹے پھوٹے چاقو، ایک زنگ آلود چھری ایک کمزور سی کلہاڑی، وہ جملہ اسلحہ تھا جو انہوں نے برآمد کیا۔

جامہ تلاشی اور خانہ تلاشی کے بعد ملنگ دیکھ رہے تھے کہ روسیوں کے چہرے نرم پڑ رہے ہیں، ان کا غیظ و غضب آہستہ آہستہ غائب ہو رہا ہے وہ ایک ہی وقت میں مطمئن اور متاسف نظر آ رہے تھے وہ آئے تھے چھاپہ ماروں کی تلاش میں اور ہاتھ آئے تھے ناکارہ، نکھٹو اور بے مصرف ملنگ!

پھر آہستہ آہستہ وہ آگ تاپنے لگے سگریٹ سلگائے، آئندہ کا پروگرام بنانے لگے ان کا یہ موڈ دیکھ کر ایک قد آور جوان سال ملنگ ان کے قریب آیا اور پھر آگ کیتلی پیالی منہ کی طرف کچھ اس قسم کے اشارے کرنے لگا۔ اس کے انداز میں مہمان نوازی کی لجاجت تھی ایک روسی نے دوسرے سے کہا! "یہ تمہیں چائے پیش کرنے کی اجازت مانگ رہا ہے"۔ دوسرے نے کہا "اگر اس وقت تازہ اور گرم چائے مل جائے تو کیا بات ہے"۔ پھر سب نے مسکراتے ہوئے اجازت دے دی۔

ملنگ چائے تیار کرنے لگے لیکن روسی ان کی طرف سے ایک ثانیے کے لئے بھی غافل نہیں ہوئے۔ ملنگوں نے چائے تو نہیں بنائی۔ البتہ قہوہ بنایا۔ آدھ گھنٹے کے اندر اندر تمام فوجی قہوے کی چسکیاں لگا رہے تھے۔ ... بھرپور اعتماد کے ساتھ انہوں نے ایک پیالی نہیں، کئی پیالیاں قہوہ پیا۔ اس مشروب نے فوجیوں اور ملنگ افغانوں کے درمیان بعد کم کر دیا۔ ان کے درمیان جو تلخی اور سختی تھی، وہ بھی لپٹتا گم ہوتی ... روسیوں نے ہاتھوں کے اشارے سے اور ان کی پیٹھ پر تھپکیوں کے ذریعے سے ان کا تحفہ ... انداز سے شکریہ ادا کیا۔ پھر انہیں ... گفتگو سے ... معلوم ہوا کہ یہ ملنگ خانہ بدوش ہیں اور کابل سے ... جا رہے ہیں۔

رات، دن کی طرف سفر کرتی رہی، روسی قہوہ پیتے رہے، افغان ملنگ قہوہ پلاتے رہے۔ وقت، مسرور وقت، مست و مسرور وقت، مست و مسرور و مخمور وقت گزرتا گیا۔ دس فوجی اور سات ملنگ خادم اور مخدوم بنے رہے۔

پھر سورج نکل آیا، روشنی پھیلی، پرندے اڑے اور خانقاہ کے اندر معلوم نہیں کس روسی سپاہی کی آنکھ کھلی اس نے ایک زوردار انگڑائی لے کر اپنے جسم کی کسلمندی کو ختم کیا اٹھ کر بیٹھا ادھر ادھر دیکھا تو دہشت سے اس کی چیخ نکل گئی۔ تمام کے تمام سپاہی مادر زاد برہنہ تھے، بے ہوش اور مخمور لٹے سیدھے پڑے ہوئے تھے جیسے معرکۂ جنگ میں کام آئی ہوئی لاشیں ہوں۔ ملنگوں کا کہیں پتہ نہیں تھا۔ ان کی وردیاں، جوتے، ٹوپی وغیرہ بھی ملنگ اپنا زاد سفر بنا کر لے گئے تھے اپنا کوئی نشان باقی نہیں چھوڑ گئے تھے۔ وہ سپاہی گھبراہٹ کے عالم میں باہر نکلا۔ ایک مہیب سی اداسی دیکھا تو سڑک پر ان کا ٹرک بھی کھڑا نہیں تھا۔ رات والی قبر اپنے سرہانے والے پتھر کے لاپتہ تھی۔ تب وہ مزید خوفزدہ اور وحشت زدہ ہو کر اندر آیا اب اس نے ذہنی طور پر سمجھ لیا تھا کہ افغان گوریلے ان کے ساتھ کیا چال، کیا ہاتھ کر گئے ہیں اس نے بمشکل تمام اپنے ساتھیوں کو

ہوش میں آنے کے باوجود ان کے ہوش و حواس غائب تھے

بیدار کیا۔ ہوشیار کیا۔ تین تیز بخار میں مبتلا ہو رہے تھے۔ دو سینے میں شدید درد کی شکایت کر رہے تھے، باقی جار اٹھتے تھے پھر لڑکھڑا کر گر جاتے تھے برہنگی نے انہیں ابھی ... کھسیانہ، گھبراہٹ اور تشویش کے جہنم میں الگ ڈالا ہوا تھا۔ پھر جیسے جیسے وہ ہوش میں آتے گئے، واپس ہیڈ کوارٹر میں پہنچنے کا خیال انہیں اندر ہی اندر چبایا گیا۔ کھاتا گیا۔ ہوش میں آنے کے باوجود ان کے ہوش و حواس غائب تھے

غزل

اعجاز رضوی

عجب اک بے یقینی ہے کہ ٹھہروں گا یہاں کب تک؟
مجھے اس کرب میں دیکھیں گے یہ انس و جناں کب تک؟

وہ جانے خوب ہے مجھ کو پہ ہے اِک شوقِ دل شکنی
لپیٹے پھر رہیں بیٹھوں اپنے دل کی دھجیاں کب تک؟

تصور میں سمیٹے سے کبھی سمٹی ہے یہ دنیا!
لئے بیٹھا رہوں آخر میں یہ چشمِ نہاں کب تک؟

سنا تھا میں نے ساون امتحاں کا ایک موسم ہے
انہی شاخوں پہ ڈیرا ہے کہ ہوگا امتحاں کب تک؟

نہ جانے کیوں بہاروں کو ہے مجھ سے دشمنی ایسی
رہے گا سر پہ میرے سایۂ دستِ خزاں کب تک

چراغِ زیست جلتا ہے تو شعلہ بھی نہیں اٹھتا
ہرے تنکوں کے مسکن پر گریں گی بجلیاں کب تک؟

غرورِ حسن ٹوٹے گا تو اذنِ وصل ابھرے گا!
کہے گا خود کروں تم سے میں ایسی بیں پیاں کب تک؟

خدا کے فضل سے مایوس ہونا کفر ہے لیکن
یہ انسانوں کی دنیا ہے نہ ہو دل بدگماں کب تک؟

یہ مانا تم بہت تکلیف سے گزرے ہو اے رضوی
کرو اب مختصر اس کو کہ ہوگا یہ بیاں کب تک؟

عورت:

عورت ایک تصویر کی مانند ہے جو جاہل آدمی کے ہاتھ لگ جائے تو اپنی کچھ قدر و قیمت نہیں رکھتی لیکن صاحبِ دانش بیش قیمت خیال کرتے ہیں۔ — نپولین

چند ایک عورتیں جو رونا شروع کر دیں تو ان کے آنسو روکنے سے زیادہ آسان کام سمندر سے طوفان کے آگے بند باندھنا ہے۔ — ملٹن

مسئلہ یہ ہے

احمد کمال

بلاشبہ سرمد شہید راہِ حق کا مسافر تھا مگر ظاہر بین نگاہ اس کا ادراک نہ کرسکی

اخبارِ وطن کا اشاعت مورخہ ۲۲ فروری میں آپ کے قطعہ کے کالم میں جناب محمد ادریس سیٹھی، لندن کا ایک مراسلہ بعنوان "کیا فرماتے ہیں علمائے دین؟" شائع ہوا ہے۔ مراسلہ مذکورہ میں جس مضمون کا نشاندہی کی گئی ہے، بدقسمتی سے وہ ہماری نظر سے تا حال نہیں گزرا، نہ ہمیں یہ معلوم ہے کہ اس کے تحریر کرنے والے کون صاحب ہیں۔ البتہ اپنے ایک محترم قاری کی جانب سے یہ سوال اٹھائے جانے کے بعد ہم نے متعدد علمائے کرام سے اس سلسلے میں رجوع کیا، جن میں سے چند نے تو اس نزاعی بحث میں پڑنے ہی سے احتراز فرمایا جب کہ چند حضرات کے ارشادات مسئلہ زیرِ بحث کو مزید متنازعہ بنا رہے تھے اور ان کے بیانات سے خواہ مخواہ فرقہ بندی کے تاثرات پیدا ہوسکتے تھے اس لئے ہم نے مناسب نہیں سمجھا کہ ان کے ارشادات عالیہ کو اخبارِ وطن کے صفحات کی زینت بنا کر برطانیہ اور دیگر یورپی ممالک میں موجود اپنے پاکستانی بھائیوں کو مفت تنازعات میں الجھا دیا جائے۔

ہمیں نہ تو عالم دین ہونے کا دعویٰ ہے اور نہ ہی ہم یہ گمان رکھتے ہیں کہ زیرِ بحث موضوع پر مکمل دسترس رکھتے ہیں، البتہ چند معروضات جناب محمد ادریس سیٹھی کی خدمت میں عرض کرنا چاہتے ہیں، ممکن ہے وہ ہمارا نکتہ نظر سمجھ کر اپنے ذہنی خلفشار سے نجات پالیں۔

محترم مکتوب نگار نے اپنے مراسلے میں جو سوالات اٹھائے ہیں ان کو اس طرح ترتیب دیا جاسکتا ہے:

- معصوم مسلمانوں کی صحیح رہنمائی کی جائے۔
- سرمد شہید کا برہنہ پھرنا اور پھر اسی جرم کی پاداش میں قتل ہونا۔
- ایک ہندو لڑکے ابھے چند سے ان کا معاشقہ
- بادشاہِ وقت کو خاطر میں نہ لانا
- غیر انسانی اور غیر فطری فعل کا ارتکاب کرنا
- اولیائے کرام اور اسلام کو بدنام کرنا

سرمد شہید کے بارے میں ان الزامات کی وضاحت کرنے سے پیشتر اگر ایک مختصر سا خاکہ یہاں ان کی زندگی کا بھی پیش کردیا جائے تو غالباً مضائقہ نہ ہوگا تاکہ دوسرے قارئین بھی اس مضمون سے کچھ استفادہ کرسکیں۔

سرمد نسلاً آرمینی ایرانی تھے آرمینیوں پر مغربی تہذیب کے گہرے اثرات تھے انہوں نے ایران ہی میں عربی اور فارسی زبانوں کا مطالعہ کیا۔ بعض مؤرخین کا خیال ہے کہ ابتدا میں وہ بھی عیسائی یا یہودی تھے، اور توریت پر ایمان رکھتے تھے وہ ایک نہایت متمول خاندان کے خوبرو چشم و چراغ تھے ایران میں مستقلاً آباد ہونے کے کچھ ہی عرصہ بعد انہوں نے عربی زبان کے مطالعہ سے فیضیاب ہوتے ہی اسلام قبول کرلیا تھا ان دنوں اسلامی علوم کے مطالعہ میں رہے تھے، چنانچہ جہاں ایک طرف سرمد اپنے آبائی پیشہ تجارت میں مشغول رہے وہیں دوسری جانب انہوں نے بے شمار درس گاہوں کی خاک بھی چھانی اور تحصیلِ علم میں بھی مگن رہے اسلامی تعلیمات نے ان کے ذہن پر گہرے اثرات مرتب کئے، لیکن تصوف اسلام کے سلسلے میں نت نئی تاویلات کا ایک ایسا دور شروع ہوچکا تھا جس نے لوبانوں (اسلام میں) ۷۲ فرقوں کو جنم دیا، سرمد کا نوجوان ذہن بے شمار مسائل پر الجھتا تھا، ہر عالم اور فقیہہ اپنے دعوے کے ثبوت میں ایسے ایسے دلائل لاتا تھا کہ سرمد کا ذہن۔۔ کیا ہے؟ کیسا ہے؟ اور کیوں نہیں ہے جیسے سوالات میں الجھ کر رہ گیا۔

عالم شباب تھا جب آپ بغرضِ تجارت کچھ سامان لے کر عازم ہند ہوئے، ایران سے روانگی کے وقت وہ نہ جانتے تھے کہ وہ کس سفر پہ اور کس قسم کی تجارت کے لئے جارہے ہیں، وادیٔ سندھ کے راستے وہ سرزمینِ ہند میں داخل ہوئے جہاں شہر ٹھٹھہ کی ایک سرائے میں انہوں نے قیام کیا۔ سرمد کا ذہن ہمہ وقت اسی ایک سوچ میں ڈوبا رہتا کہ آخر خدا کیا ہے؟ وہ اس حقیقت منتظر کو لباسِ مجاز میں دیکھنے کے متمنی تھے، ان کا ذہن اپنے معبود کے معشوقانہ لاکھوں پیکر تراشتا تھا نسلاً چونکہ آرمینی تھے اس لئے یہ حرکت ان کے لئے کچھ ایسی عجیب بھی نہیں کہی جاسکتی، ایک بات جس پر ان کا دل گواہی دیتا تھا وہ یہ تھی کہ وہ خدا جس نے یہ حسین و جمیل دنیا تخلیق کی ہے اور حسن کو سراہا ہے خود یقیناً اس قدر حسین ہوگا کہ اس کے جلوے کی تاب لانا کسی پیغمبر کے بس کی بات نہ تھی تو ہم شمر کا تو ذکر ہی کیا۔

ٹھٹھہ میں قیام کے دوران ہی ایک روز بازار میں انہوں نے ایک ہندو زادے ابھے چند کو دیکھا اور ایک ہی نظر دیکھنے کے بعد وہ صرف یہ سوچتے رہ گئے کہ جس معبود نے یہ شاہکار تخلیق کیا ہے وہ خود کتنا حسین ہوگا؟ حقیقتِ منتظر لباسِ مجاز میں تو نہ آسکی تھی مگر اس کا پرتو اس ہندو زادے کی ذات سے ضرور جھلک رہا تھا اپنے اس ہندو زادے کے مجاز باپ کا علاج کرایا۔ اور صاف طور پر بتایا کہ تمہارے لڑکے کی ذات میں مجھے میرے محبوبِ حقیقی کی صناعی کی ایک جھلک نظر آتی ہے تم اسے مجھ سے جدا نہ کرنا۔

ادھر ابھے چند بھی آپ کے حسنِ اخلاق سے اس قدر متاثر ہوا کہ اس نے کچھ عرصہ بعد اسلام قبول کرلیا اور مستقل آپ کی خدمت میں رہنے لگا اب کیفیت حال یہ تھی کہ سرمد ابھے چند پر نظر ڈالتے تھے تو تصویر میں محبوبِ حقیقی کی جلوہ آفرینی قیامت ڈھاتی تھی، اور رات دن اس سے وصال کے انتظار میں مرتے تھے، حالانکہ محبوب سے وصال کا طریقہ خودکشی بھی ہوسکتا تھا، مگر خوب جانتے تھے کہ اسلام میں حرام موت کی سزا سوائے نارِ جہنم کے کچھ نہیں ہے، ادھر محبوب سے وصال کی تمنا بے قرار رکھتی تھی، اور سینہ ہر لحظہ آتشِ عشق سے سلگتا تھا، ایسے میں جب منصور ابن حلاج کا نعرۂ اناالحق ان کے ذہن میں گونجا تو ان کے ذہن نے انہیں فرقۂ ملامتیہ کے صوفیاء کی طرف راغب کردیا، محبوب سے وصال کی تڑپ نے ہوش و خرد سے بیگانہ کردیا، نہ کھانے کا ہوش رہا نہ پہننے کا تن کے کپڑے تار تار ہوگئے جسم لاغر ہوکر ہڈیوں کا ڈھانچہ بن گیا۔ اور ایمان کا وہ جوان رعنا ہجر و فراق کی آگ میں جھلس کر کوئلہ بن کر رہ گیا۔ اب انہیں ابھے چند کی طرف دیکھنے کی حاجت بھی نہ تھی وہ لڑکا ہر وقت ان کی خدمت میں حاضر رہتا، اس نے ان کی خاطر اپنا سب کچھ فراموش کردیا، جنگلوں ویرانوں اور صحراؤں کی خاک چھانتے ہوئے سرمد محبوبِ حقیقی سے وصال کی تلاش میں شہر دہلی آنکلے جہاں ان دنوں شاہجہاں کے بیٹوں کے درمیان اقتدار کی جنگ کا محور بنا ہوا تھا، شاہجہاں کا بڑا بیٹا داراشکوہ خود صوفیائے کرام کی محفلوں کا آدمی تھا، دہلی میں اس نے سرمد کی شہرت سنی کہ یہ ننگ دھڑنگ درویش جس کے بارے میں جو کچھ کہتا ہے وہ پورا ہوجاتا ہے تو ان سے ملنے کے لئے بے قرار ہوگیا، جب ان کی خدمت میں باہمہ حاضر ہوا تو دیکھتے ہی سرمد نے کہا "میں تیرے سر پر دائمی اقتدار کا تاج نظر آرہا ہے"۔ داراشکوہ نے ان الفاظ کا کچھ اور ہی مطلب لیا اور سمجھا کہ



مجذوب نے اسے ہند کے اقتدار کی بشارت دی ہے، ادھر اورنگ زیب کے جاسوسوں نے اسے بھی یہ اطلاع پہنچا دی، جس پر وہ اچھا خاصا پیچ و تاب کھاتا رہا، اورنگ زیب خود ایک عالم باعمل اور مجاہد تھا، وہ صوفیائے کرام کے وجود کو اسلام میں "رہبانیت" کا باعث سمجھ کر ان سے ویسے ہی نالاں رہتا تھا۔ ادھر خداوند تعالیٰ نے اپنے عشق میں سر تا پا فنا اس مردِ مجذوب کی زبان میں کچھ ایسی قدرت ودیعت کی تھی کہ جو سرمد نے کہہ دیا وہ ہوگیا۔ لوگ آپ کے دیوانے تھے اور آپ کی برہنگی کو اس بات سے تعبیر کرتے تھے کہ جب ایک شخص اس دنیائے فانی سے اپنا واسطہ ہی توڑ چکا اور صرف حق کی تلاش میں سر تا پا بکھر چکا ہے تو اسے اس دنیا اور اس کے لوازمات کا ہوش کیا ہوگا۔

یہاں یہ بات واضح رہے کہ حق کا راستہ ہمیشہ کانٹوں سے بھرپور ہوتا ہے۔ اور اس خارزار میں قدم رکھنے کی جرأت وہی لوگ کرسکتے ہیں جنہیں اس مادی دنیا سے زیادہ بٹا اس دنیا کی جستجو اور خواہش ہو، جو سب کی آخری منزل ہے حق کو سمجھا اور پھر اس کا اظہار کرنا وہ دور ہی میں ننگے پاؤں کی نوک پر عریاں رقص کرنے کے مترادف ہے، حقیقت ہمیشہ عریاں ہوتی ہے اس کے بدن پر جو بھی لباس ہوگا منافقت کہلائے گا اور سرمد عشق کی ابتدائی منازل ہی میں منافقت کی راہ ترک کرچکے تھے، یہ حوصلہ ہر کسی کو نہیں ملتا ہے

پیغمبر نہیں تھے، کوئی شریعت لے کر نہیں آئے تھے جس پر بعد ازاں خلقِ خدا کو عمل کرنا ہوتا، ان کے سامنے تو صرف اپنی ذات اور اپنے ذہن کی تسکین تھی، وہ تو صرف اپنے لئے اپنے محبوبِ حقیقی کا وصال چاہتے تھے جو صرف اسی صورت میں ممکن تھا کہ فرشتۂ اجل انہیں اس دارِ فانی سے اچک لے۔ اورنگ زیب نے اپنی بے پناہ ذہانت جرأت اور شجاعت کے بل بوتے پر ہندکی سلطنت حاصل کرلی اور داراشکوہ کا سر قلم کرا دیا، ۱۰۴۰ھ میں اورنگ زیب تخت نشین ہوا

سرمد کے متعلق اس کے حاسدوں نے اورنگ زیب کو باور کرایا کہ یہ داراشکوہ کے سرپرستوں میں سے ہے اور اس کے ملک میں لاکھوں کروڑوں عقیدت مند ہیں، جو کسی وقت بھی بغاوت کرسکتے ہیں نیز اس نے داراشکوہ کے حق میں پیشگوئی بھی کی تھی، اورنگ زیب نے آپ کو اپنے دربار میں بلوایا اور پوچھا کہ کیا تم نے ہی داراشکوہ کی بادشاہی کی پیشگوئی کی تھی، آپ نے اثبات میں جواب دیا اور فرمایا کہ دیکھ لو، داراشکوہ کو دائمی بادشاہت حاصل ہوگئی۔ اورنگ زیب نے اس مسئلہ کو تو فراموش کردیا مگر مفتیوں اور قاضیوں نے سرمد کی برہنگی کو غیر شرعی ثابت کرکے اسے واجب القتل قرار دے دیا، لیکن اورنگ زیب یہاں بھی حقیقی صورتِ حال کو سمجھتا تھا۔ اس نے یہ حکم بھی نہ دیا، اسے سرمد سے ایسا بھی کوئی خطرہ نہ تھا کہ وہ اس کے خلاف بغاوت کرسکیں گے

ادھر علماء بھی سرمد کے خلاف صف آرا ہوچکے تھے اگر سرمد محض ایک پاگل اور مجذوب برہنہ تن ہوتا تو شاید کسی کو اس کی پرواہ نہ ہوتی لیکن اصل مسئلہ تو اس کی معرفت سے بھرپور رباعیات اور باتیں تھیں، جو خلقت کو اس کا دیوانہ کئے ہوئے تھیں، اور جن میں اسرار و معانی کے سمندر بند ہوتے تھے، سرمد کی باتیں مکتبی علماء کے کتابی علم کی فہم سے بالاتر ہوتی تھیں، چنانچہ جب سرمد نے اپنی مشہور رباعی کہی، جس کا ترجمہ تھا کہ "شب معراج آنحضورؐ عرش پر نہیں گئے تھے، بلکہ خود عرشِ معلیٰ ان کے قدموں میں جھک آیا تھا" تو علماء نے شور مچا دیا کہ "یہ تو معراجِ رسولؐ ہی کا منکر ہے"

حالانکہ ان کی اس رباعی میں جو مفہوم تھا اورنگ زیب اسے سمجھ گیا، پھر علماء نے سرمد کو ایک نئی آزمائش میں ڈالا اور اورنگ زیب کے دربار میں کلمہ پڑھنے کو کہا۔ یہ اورنگ زیب کی بادشاہی کا تیسرا سال تھا سرمد نے دربار میں سرمد نے بار بار کلمہ پڑھا اور صرف "لاالٰہ" کہہ کر جذب و مستی کی کیفیت میں ڈوب جاتے رہے، علماء نے شور مچا دیا کہ یہ تو خدا کے وجود کا بھی منکر ہے، اورنگ زیب کے استفسار پر آپ نے صرف اتنا کہا کہ ابھی میں "لاالٰہ" کی منزل تک پہنچا ہوں۔ اور یہ جواب سرمد جیسا بے باک حق پرست و حق شناس ہی دے سکتا تھا، اورنگ زیب اس رمز کو بھی سمجھ گیا اور اس نے باور کرلیا کہ درویش اب وصالِ محبوب کے بعد ہی "الااللہ" کی منزل تک پہنچ سکے گا، علاوہ ازیں اب اس شخص کے لئے ضروری ہوگیا ہے یہ بغیر دیکھے قرار نہیں کرے گا، اور منافق ہے، نہ زندگی کا خواہاں۔ چنانچہ جب قاضیوں نے سرمد کی موت کا فتویٰ جاری کیا تو اورنگ زیب نے خاموشی اختیار کی۔ اب عشقِ مجازی کا کرشمہ دیکھئے کہ جب جلاد نے گردن اڑانے کے لئے تلوار لہرائی تو تاخیر سے بچنے کے لئے خود آگے بڑھ گئے، جب سر تن سے جدا ہوکر زمین پر گرا تو کٹے ہوئے سر سے تین مرتبہ آواز آئی "لاالٰہ الااللہ" ۔۔۔ اور لوگ انگشت بدنداں رہ گئے سرمد کا مزار جامع مسجد دہلی کے پاس برلب سڑک واقع ہے، اور مرجعِ خاص و عام ہے، ہزاروں عقیدت مند روزانہ آپ کے مزار پر حاضری دے کر فاتحہ خوانی کرتے ہیں اور ان کی تعلیمات سے فیضیاب ہوتے ہیں۔

اب آئیے ادریس سیٹھی کے سوالات کی جانب۔۔۔۔۔

- معصوم مسلمانوں کی حقیقی رہنمائی یہ داستانِ سرمد میں یہی ہے کہ تلاشِ حق میں عمر گزار دیں اور عشقِ حقیقی کو منافقت کے لباس نہ پہنائیں اس سے مراد تن برہنگی نہیں، بلکہ ذہنی جرأت اظہار ہے۔۔۔۔۔!
- ہندو زادے سے ان کے معاشقے کی داستانیں من گھڑت ہیں۔ اس کے بے پناہ حسن و جمال نے تو صرف انہیں اس کے خالق کے بے اندازہ حسن کا احساس دلایا تھا۔ ان پر اغلام یا خلافِ وضعِ فعل کے الزامات نہایت مکروہ ہیں، اور ہندوؤں کے پھیلائے ہوئے ہیں۔ جن کی کوئی تاریخی شہادت نہیں ملتی۔
- جن کی نگاہوں میں خالقِ کائنات کی بادشاہی کا جلوہ سما چکا ہو، وہ دنیاوی بادشاہوں کے جاہ و جلال سے کیا مرعوب ہوسکتے تھے، کیا محض اس جان کے خوف سے، جس کے کھو دینے پاسنے میں ہی انہیں وصالِ محبوب کی بشارت ملی تھی؟

- اولیائے کرام اور اسلام کی بدنامی کا پہلو تو اس وقت نکلتا تھا جب یہ ہوش و خرد سے بیگانہ شخص باقاعدہ مسندِ رشد و ہدایت پر براجمان ہوکر اپنے ہر فعل کے جائز ہونے کی تاویلیں دیتا۔ یا ان کا پرچار کرتا، اس نے ساری زندگی اپنے کسی بھی فعل کے درست ہونے کا عمومی الفاظ میں پرچار نہیں کیا، بلکہ محض اشاروں کنایوں ہی ایک بات کہنے کی کوشش کی، جسے کوئی سمجھا اور کوئی نہ سمجھا، وہ مبلغِ اسلام نہ تھے، بس سر تا پا عشق تھے، اور من و تو کے تمام جھگڑے مٹا کر صرف محبوبِ حقیقی سے وصال کے متمنی تھے، انہیں ہم حضرت داتا گنج بخشؒ یا بابا فرید گنج شکرؒ یا نظام الدین اولیاءؒ خواجہ معین الدین چشتیؒ کا مرتبہ نہیں دے سکتے، جن کا منصب ہی تبلیغِ اسلام تھا،

- یہ یاد رکھنے کی بات ہے کہ سرمد فرقۂ ملامتیہ سے تعلق رکھتے تھے جن کا باطن ظاہر بین نظروں سے عموماً اوجھل ہی رہتا ہے، اور اپنی ذات میں مگن اور ایک ہی منزل کے مسافر ہوتے ہیں جس کا حصول ہی ان کی زندگی کا حاصل ٹھہرتا ہے۔

عورت کی کتاب دنیا ہے۔ وہ کتابوں سے اتنا نہیں سیکھتی جتنا دنیا سے سیکھتی ہے۔ مرد کتابیں پڑھتے ہیں۔ عورت دنیا کا مطالعہ کرتی ہے ۔۔۔ بھارت کے نجات دہندہ گاندھی جی

سادہ لوح پاکستانی بیگار لینے والوں کے ہاتھوں ذلیل ہو رہے ہیں

ایک اخباری اطلاع کے مطابق حکومت سعودی عرب آزاد ویزوں کے کاروبار پر پابندی لگانے پر غور کر رہی ہے۔ کیونکہ وہاں بے روزگار غیر ملکیوں خاص طور پر پاکستانیوں کی تعداد تیزی سے بڑھتی جا رہی ہے۔ نام نہاد آزاد ویزے زیادہ تر سعودی عرب میں برسر روزگار پاکستانی بھیجتے ہیں، جو فی ویزا بیس سے پانچ ہزار ریال کسی سعودی باشندے کو دے کر اور اپنی کفیل کوری کرکے پاکستان بھجوا دیتے ہیں۔ اور پاکستان میں ان کے معتمد اور شریک کاروبار لوگ کسی ریکروٹنگ ایجنسی کے مالی تقاضے اور دوسری شرائط پوری کرنے کے بعد انہیں سعودی عرب بھجوا دیتے ہیں۔ اس طرح جانے والوں کو نہ صرف کرایہ خود ادا کرنا پڑتا ہے بلکہ سعودی عرب پہنچنے کے بعد ملازمت، روزگار کا بھی خود ہی بندوبست کرنا پڑتا ہے۔ اور اس طرح انہیں باہر جانے کی خواہش پوری کرنے کے لئے ۲۵ سے ۴۰ ہزار روپے خرچ کرنے پڑتے ہیں۔ اتنے سرمائے سے وہ پاکستان میں بھی اچھا بھلا کاروبار کر سکتے ہیں۔ اس طریقہ سے سعودی عرب جانے والے جن لوگوں کا وہاں کچھ سہارا ہوتا ہے وہ تو بھلے بھلے انداز میں عرصہ انتظار گزار لیتے ہیں۔ باقی سب ذلیل و خوار ہوتے ہیں یا پھر وہاں بیگار لینے والے حریص دیہاڑ عناصر کے ہتھے چڑھ جاتے ہیں اور اپنی بدبختی کا ماتم کرتے رہتے ہیں۔

"آزاد ویزوں" کے اس کاروبار نے ان پاکستانیوں کی بھی روز افزوں ناقدری تک نوبت پہنچا دی ہے۔ جو وہاں اچھے بھلے برسر روزگار ہیں۔ یا باقاعدہ ملازمت کا انتظام ہونے کے بعد وہاں جاتے ہیں۔ جب تک ہر قیمت پر باہر جانے کا جنون موجود ہے، سادہ لوح پاکستانی کسی نہ کسی ذریعہ استحصال کے پھندے کا شکار بنتے رہیں گے۔ لیکن جب "آزاد ویزوں" کے کاروبار سے پیدا ہونے والی خرابی بسیار کو بالآخر سعودی عرب کی حکومت نے بھی محسوس کر لیا ہے تو ہماری وزارت افرادی قوت اور دوسرے متعلقہ اداروں کو اس معاملے سے مزید چشم پوشی نہیں کرنی چاہیئے۔

●

عورتوں کے گھنگھریالے بالوں کی تاریخ

بالوں کو گھنگھریالے بنانے کا سلسلہ زمانہ قبل از تاریخ سے چلا آ رہا ہے۔ دلچسپ امر یہ ہے کہ پتھر کے دور میں جب بال کٹوانے یا منڈوانے کا کوئی رواج نہیں تھا اس دور میں بالوں کو نت نئے انداز میں سنوارنے کا رجحان موجود تھا۔ اور گھنگھریالے بالوں کو حسن کا جزو تصور کیا جاتا تھا۔

لیکن تہذیب اور ثقافت کے ارتقا سے بال کٹوانے اور انہیں آراستہ کرنے کی طرف توجہ دینے کی ابتدا ہوئی تو بھی گھنگھریالے بالوں کا فیشن رہا۔ اس دور میں تمام مرد بھی لمبے بال رکھتے تھے اور انہیں گھنگھریالے بناتے تھے۔ انگلینڈ کے ہنری ہشتم نے ایک فرمان کے ذریعے مردوں کو بال کٹوانے کا حکم جاری کیا۔ اور داڑھیوں اور مونچھوں کو گھنگھریالے بنانے کی اجازت دے دی البتہ جیمز اول نے یہ حکم واپس لے لیا۔ اور مردوں میں پھر یہی رواج عود کر آیا۔ لیکن انیسویں صدی کے آغاز میں مردوں کے لئے چھوٹے بالوں کا رواج زور پکڑ گیا۔

عورتوں میں لمبے بالوں کا رواج شروع سے ہی تھا اور زلفوں کو ان کے نسوانی حسن کا ایک لازمی حصہ تصور کیا جاتا رہا۔ وہ البتہ شروع سے ہی مہندی کے ذریعے بالوں کو سنہری بنانے اور انہیں گھنگھریالے بنانے کی طرف مائل رہیں۔ البتہ انیسویں صدی میں اس عمل کو بڑی مقبولیت حاصل ہوئی اور ہر عورت گھنگھریالے بالوں والی نظر آنے لگی۔

فرشتوں کی دعا لینا

بستان اور دوسری کتابوں میں حضرت جابرؓ بن عبد اللہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص کھانے کے بعد برتن کو صاف کر دیتا ہے تو وہ برتن اس کے حق میں دعا کرتے ہیں کہ اللہ اس شخص کو آگ سے بچائے جس طرح اس شخص نے مجھے شیطان کے ہاتھ سے نجات دی۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کے مقرر فرشتے اس شخص کے لئے دعا کرتے ہیں جو کھانے کے بعد انگلیاں چاٹ لیتا ہے۔ اور یہ عمل تبخیر جیسے مرض کا بھی بہترین علاج ہے۔

MONTHLY

AAWAZ

P.O. BOX 2113
POSTAL STATION "B"
SCARBOROUGH, ONTARIO
CANADA M1N 2E5
TEL: (416) 267-8006
EDITOR : SOHAIL AKHTAR
PUBLISHER: Z. MODI

MAR, 1982

برادرانِ اسلام سے اپیل

PERMANENT MASJID IN NORTH YORK

Respected Brothers in Islam: Asalam-wa-alaikum

The Caledonia Masjid, as you know, was started in the basement of the hi-rise building, to meet the religious needs of the muslims living in this area. The space for the Caledonia Masjid was provided on a temporary basis upon approval of the Board of Directors of the hi-rise. This facility could be withdrawn at anytime, by the Board of Directors, whenever they wish or want it back.

On the other hand, the number of muslims using the Caledonia Masjid facility has increased considerably in the past years. So much so that the present space has become insufficient. This ever increasing demand of muslims in the area has created a necessity for establishment of a permanent Masjid, to meet the religious needs of the muslim Community in this area.

Having felt the pressure and the need for a Masjid, the local muslim Community had a mashwara on July 5, 1981 and the following actions and/or decisions were undertaken:

1. An Executive Committee comprising of nine members has been formed to work on the establishment of a Masjid in this area.
2. The name of this Committee was decided to be "ANJUMAN-E-MUSLIMEEN of NORTH YORK." This Committee will develop its constitution and will get itself registered to act as legal entity.
3. All the muslims living in this area are requested to become members of this Committee by paying a nominal yearly due of $25.00.
4. All the muslims present in the Masjid on the day of mashwara pledged to contribute at least $1000 each, for the New Masjid. The payment will be made according to individual convinience, but within two years time.
5. A Joint-account will be opened in trust, in the name of "ANJUMAN-E-MUSLIMEEN," and the donations will be deposited & receipts for tax purposes will be issued.
6. Subcommittees to devote time and efforts will be formed to collect donations from all possible avenues.

Great rewards in this world and hereafter have been promised in tha "HOLY QURAN" and Al HADIS of Prophet S.A.W., for the efforts and sacrifice made in the establishment of Masjid.

Not only that we and our children benefit from this essential center of religious activities, but the generations to come Insha-Allah will benefit from it.

The time, efforts and money spent in the establishment of Masjid becomes Sadaqa-e-Jaria. So long the Masjid and its religious activities last, the multiplied Sawab goes in the account of the person who has contributed in the establishment of the Masjid, whether the person is alive or dead.

So Alhamdu-Lillah it is a unique and great opportunity for every muslim to contribute in anyway he can in the establishment of the "HOUSE OF ALLAH," to reap great rewards in this world & much more in the hereafter.

All muslims are hence urged to contribute in this great cause of Allah. Those Muslim brothers willing to contribute their time, efforts and donations (for the sake and the pleasure of Allah), could contact any of the following members of the community.

1. Br. Saeed Sheikh 782-8687 2. Br. Amanullah Khan 661-5851
3. Br. Rafi Dean 244-9425 4. Br. Ayub Mamoon 245-9724

جرم وسزا

بشیر احمد

وہ اتنی ہی حسین ہے
کہ اس کی خاطر کوئی
بھی فرد اس
کے تمام جرائم اپنے نام
لے سکتا ہے!

[illegible]

یوٹے ایریکا

سوئٹزر لینڈ کی جنت سے

جیل کی جہنم تک



کراچی جیل میں جرمن حسینہ یوزٹ ایریکا
سخت ندامت محسوس کرتی ہے

[illegible]

تیاریاں راھواں

چرخہ کتدی جاواں	ہتھ جوڑ کے تینوں
گن ماہی دے گاواں	پیریں پے کے مناواں
کلی بہہ کے بیہڑے	تینوں تکدی نہ تھکاں
تکاں تیریاں راھواں	میں تے وٹ وٹ جاواں
سینہ چیر کے اپناں	میلا ہوندا تو جاویں
دل کڈھ کے کھاواں	تینوں ہتھ دی نہ لاواں
تیرے پیراں دی مہندی	میتھوں وچھڑیا ماہی
سرمہ اکھ دا بناواں	کیویں جا کے مناواں

بشیر احمد

بزمِ اردو ادب اسکاربرو کی ماہانہ نشست ۲۱ مارچ بروز [illegible] بجے شام
ہونا قرار پائی ہے۔ ممبران سے درخواست ہے کہ وہ [illegible] سے رابطہ قائم کریں۔

MONTHLY
AAW
P.O. BOX
POSTAL STATION
SCARBOROUGH, ONT.
CANADA
TEL. 416 267 800
EDITOR
PUBLISHER
MAR, 1982

P

Respected

the relig
tempora
anytime

considera
increasin
to meet

on July

1. An
a Ma
2. The
Con
3. All
nom
4. All
for
yea
5. A
tion
6. Sub

Al HAD

genera

long th
has co

he can
in the

willing
conta

1. Br.
3. Br.

اپنی پسند کی موت

ریہرسل کا آخری دن تھا۔ اگلے روز سے ڈرامہ تماشائیوں کے سامنے پیش کیا جانے والا تھا۔ ریہرسل ختم ہونے کے بعد ڈائریکٹر نے ایک اداکار کو بلایا جس نے بیمار کردار بڑے بھونڈے انداز سے کیا تھا۔ ڈائریکٹر نے اس سے کہا "میں نے ڈرامے میں کچھ ترمیم کی ہے۔ کل سے تم پہلے ہی ایکٹ میں مر جاؤ گے۔"

"کیوں؟" اداکار نے تعجب سے پوچھا "آپ ایسا کیوں کر رہے ہیں؟"

"اس لئے کہ اس میں تمہاری بھلائی ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ تمہاری موت ڈرامے کے آخر میں تماشائیوں کے ہاتھوں ہو۔"

اونچے سُر میں

ایک مشہور گلوکار اپنا پروگرام پیش کرنے کے بعد ہال سے باہر نکلا تھا کہ ایک امیرزادی اس سے پوچھنے لگی "کیا آپ واقعی ماہر گویے ہیں جو اتنے اونچے سُر میں آسانی سے گا لیتے ہیں؟"

گلوکار نے خوش ہو کر کہا "جی ہاں خاتون!"

امیرزادی بولی "تو پھر آپ میرا ذرا سا کام کر دیں۔ میرے ڈرائیور کو پکار کر بلا دیجئے اس کا نام شرفو ہے۔"

اپنی اپنی حالت

بیوی: "تم آج پھر نشے میں دھت ہو۔ لعنت ہے ایسی زندگی پر۔ اگر میری حالت تمہارے جیسی ہوتی تو میں یقیناً اپنے آپ کو گولی مار لیتی۔"

شوہر: "اگر تمہاری حالت میرے جیسی ہوتی بیگم! تو تمہارا نشانہ یقیناً چوک جاتا۔"

آخری ہچکی

ڈاکٹر نے نرس سے کہا "مریض کی ناک کے سامنے آئینہ رکھ کر اندازہ لگانے کی کوشش کرو کہ اس کی سانس چل رہی ہے یا نہیں؟"

نرس: "جی ہاں ڈاکٹر صاحب! جب میں نے اس کی ناک کے پاس آئینہ رکھا تو اس نے ایک آنکھ کھولی اور آخری ہچکی لے کر بولی میری ناک پر تھوڑا سا پاؤڈر لگا دو۔"

اصل قیمت

ایک بادشاہ حمام کو گیا۔ ایک دیوانہ بھی وہاں آ گیا۔ بادشاہ نے مذاق کے طور پر اس دیوانے سے پوچھا "دیوانہ! میری قیمت تو بتاؤ۔"

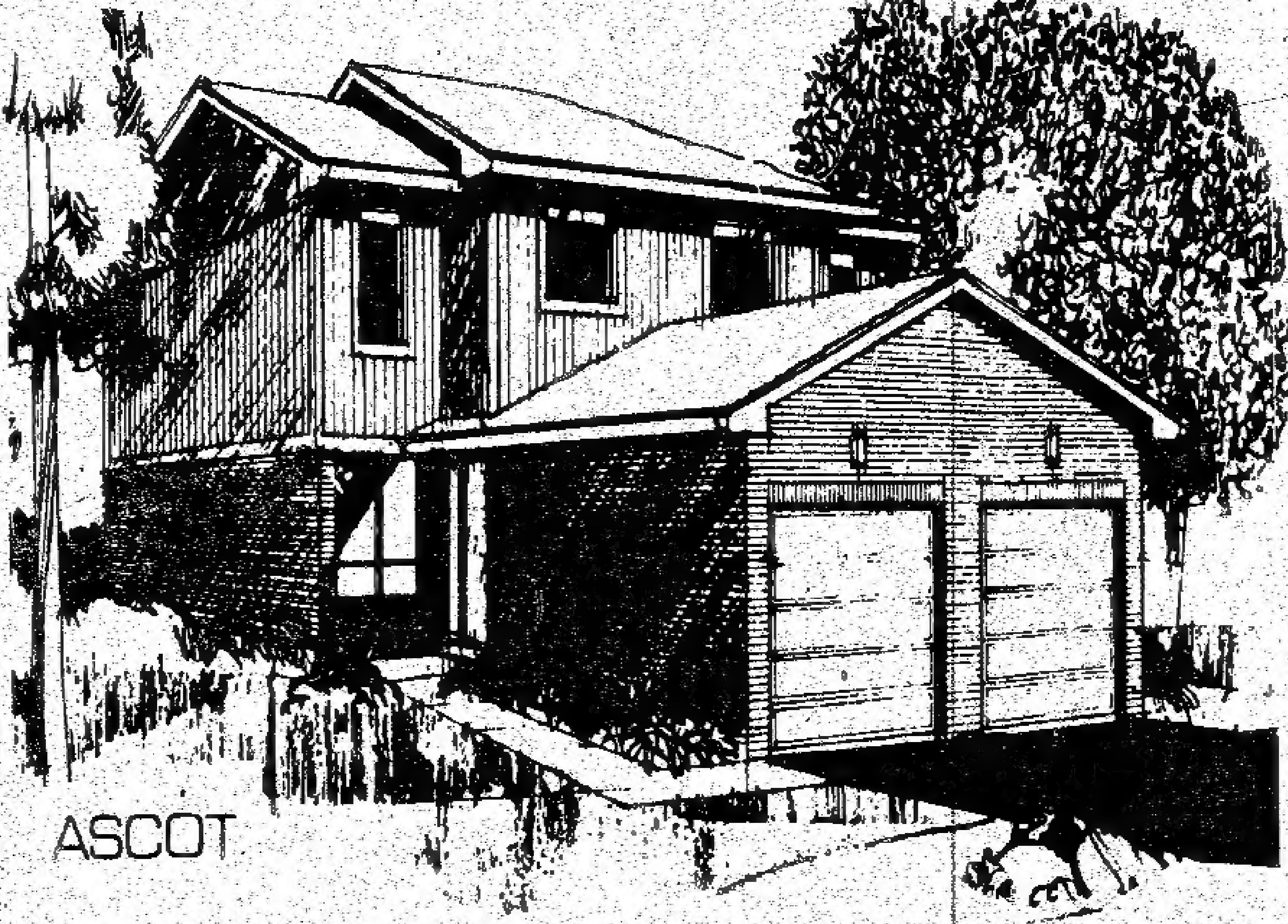
دیوانے نے کہا "پچاس روپے"

بادشاہ نے کہا "پچاس روپے کی تو صرف میری لنگی ہے۔"

دیوانہ ہنس کر بولا "میں نے بھی تو پچاس لنگی کی وجہ سے ہی کہا تھا۔ تو سمجھتا ہے اس لنگی کو الگ کر کے بھی تیری کوئی قیمت ہے۔"

آپ کے مسائل کا حل

Metro's SENSATIONAL VALUE



ASCOT

Semis from $81,900
FINISHED MODELS
- 3 & 4 bedroom
- Single car garage
- 1 1/2 baths
- seperate dining and living rooms
- eat-in kitchens
- broadloom throughout

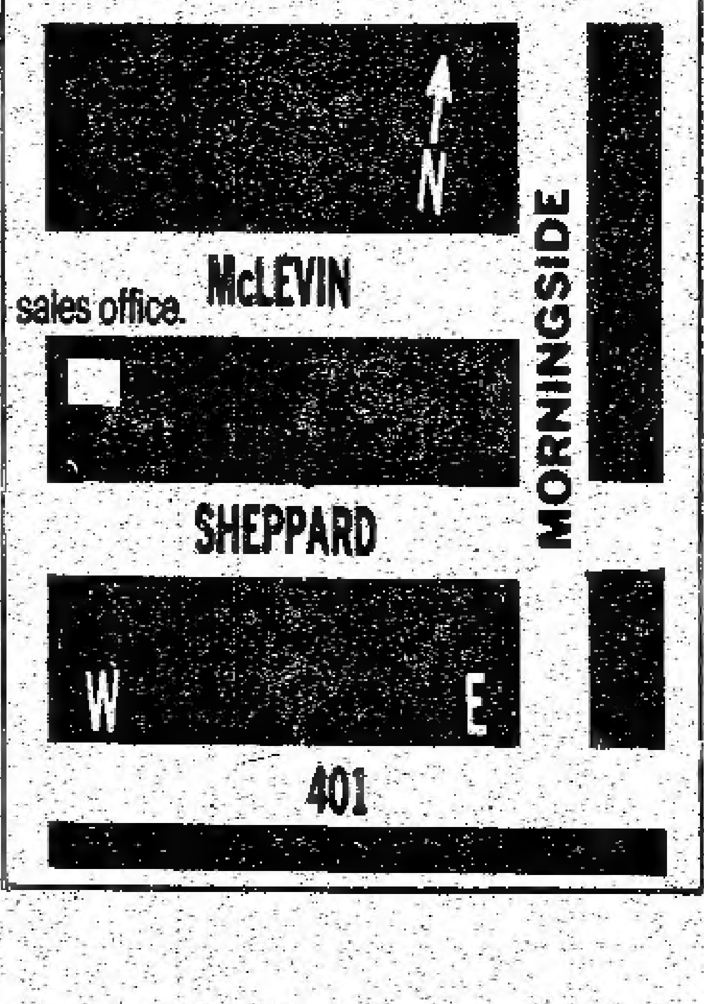
$81,900

اچھا مکان —— اچھی زندگی   اپنا مکان —— سُکھی زندگی

خوبصورت مکان — مکمل زندگی

اب تک بہت سے ہندو پاکستانی اس علاقے میں آباد ہو چکے ہیں

SCARBOROUGH



CLOSE TO TRANSPORTATION, ALL SCHOOLS, AND SHOPPING.

ONLY FEW LEFT.

HOURS:
MON.-THURS. 2-8
SAT. & SUN. 11-5
CLOSED FRIDAY.

D'ARRIGO CONST. CO. LTD.